خطبات جناح

خطباتِ جناح
ادبستان لاہور

خطباتِ جناح

ناشر

ادبستان - لاہور

باہتمام شیخ نذیر احمد پرنٹر و پبلشر تاج آفس محمد علی روڈ بمبئی ۳

فہرس

گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام ملک محمد رفیق پرنٹر و پبلشر چھپکر دارالبستان بیرون موچی دروازہ لاہور سے شائع ہوئی :-

قائدِ اعظم

اسلامیانِ ہند کے لئے بالخصوص اور مُسلمانانِ عالم کے لئے بالعمُوم، ۲۵ر دسمبر ۱۸۷۶ء کا یکشنبہ وُہ یومِ مبارک تھا، جب کہ قائدِ اعظم کی مسعُود و محمُود ہستی دُنیا میں آئی۔ اس وقت کون کہہ سکتا تھا کہ آگے چل کر یہ ننھی سی جان ایک وجُودِ با جُود کی شان سے ملّت کے آسمان پر آفتاب و مہتاب ہو کر چمکے گی۔ جس کی ضیا پاشیوں سے خانۂ ظلماتِ قوم پُرانوار ہو گا۔ اور ہندوستان کے کلمہ گو محمد علی جناح کے نام کا وظیفہ پڑھیں گے۔ قومیت کا وہ تصور جسے مُدّتوں سے ایک خیالِ محال سے بڑھ کر وقعت حاصل نہ تھی اب میدانِ عمل میں آئے گا اور اپنی قوت و جبروت کا لوہا یار و اغیار سب سے منوائے گا۔

محمد علی کراچی میں خوجہ ذات کے ایک امیر سوداگر جناح نامی کے ہاں پیدا ہوئے۔ ان کی والدۂ محترمہ کا نام سکینہ تھا۔ آپ کی تعلیم پانچ برس کی عمر میں شروع ہوئی اور گیارہ برس بعد جب کہ آپ ابھی سولہ سال کے تھے، انٹرنس کا امتحان امتیاز کے ساتھ پاس کر لیا۔

کہتے ہیں کہ :-

ع سالے کہ نکوست از بہارش پیداست

محمد علی جناح نے بھی اپنی آئندہ روش اور تحصیلات قانونی وسیاسی کا ثبوت تعلیم مدرسہ کے دوران میں ہی دینا شروع کر دیا تھا۔ اُن کا یہی رجحان تھا کہ متموّل باپ نے ہونہار لڑکے کی یہ فرمائش قبول کی۔ "مجھے تعلیم قانون کے لئے انگلستان بھیج دیا جائے"۔

۱۸۹۲ء میں انگلستان پہنچ کر محمد علی "لنکن اِن" (LINCOLN INN OF COURT) کی قانونی درس گاہ میں داخل ہوئے۔ اور ۱۸۹۶ء میں بیرسٹری کی سند حاصل کی۔

قیام انگلستان میں آپ نے مکروہاتِ مغرب سے کامل پرہیز رکھا اور تحصیل علم میں انہماک کی وہ داد دی کہ باید و شاید۔ جب آپ مطالعۂ قانون سے فارغ ہوتے تو سیاسیات کو توجہ دیتے۔ پھر اس میں علم کے ہمراہ آئندہ عمل کی راہ نکالتے۔ چنانچہ آپ نے انگریز مدبّرین سے ربط پیدا کیا اور اُن کے ساتھ تبادلۂ خیالات سے مستفید ہوتے رہے۔

اِن ایّام میں ہندوستان کا وہ پارسی فرزند دادا بھائی نوروجی جو تدبّر ملکی میں صاحب کمال تھا، انگلستان میں مقیم تھا۔ اور لنڈن انڈین سوسائٹی کے صدر کی حیثیت سے انگلستان کے ہندوستانی طلباء کے حق میں نہایت مفید کام کرتا تھا۔ دادا بھائی نوروجی پارلیمان برطانیہ اور باشندگانِ برطانیہ کو نہ صرف کوائف ہند سے آگاہ کرتے رہتے تھے بلکہ انہوں نے

اغراض و مقاصدِ ہند کی وکالت بھی اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔
محمد علی جناح نے ہندوستان کے اس سپوت سے مراسم پیدا کیں۔ اُنہوں نے جلد ہی تاڑ لیا کہ یہ لڑکا جو ابھی بیس برس کا بھی نہیں ہُوا ایک دن دُنیائے قانون اور عالمِ سیاسیات کا لیڈر ثابت ہوگا۔ چنانچہ وہ اپنے نوجوان دوست کو بڑی شفقت کے ساتھ معاملاتِ ملکی کے سبق پڑھاتے اور حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ محمد علی جناح نے بھی اپنی علمی لیاقت اور پھر نظم و نسق کی اہلیت ایسی دکھائی کہ لنڈن انڈین سوسائٹی کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ اس عہدے پر فائز ہوکر وہ دادا بھائی نوروجی کے نقشِ قدم پر چلے اور سوسائٹی کے اغراض و مقاصد کے حق میں بڑے مفید ثابت ہُوئے۔
محمد علی جناح ۱۸۹۶ء میں واپس ہندوستان آئے۔ مگر اب امارت کی بجائے غربت سے پالا پڑا۔ کیونکہ ان کے والد کو کاروبار میں نقصان پہنچا تھا۔ بہرحال آپ نے ۱۸۹۷ء میں بمبئی میں پیشۂ وکالت اختیار کیا۔ یہاں شروع کے تین چار سال میں آپ کو سخت مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ محنت کش تھے، لائق تھے۔ شب و روز تحصیل علم قانون میں مشغول رہتے تھے۔ مگر ایک تو ابھی ان سے کوئی واقف نہ تھا اور دوسرے ناتجربہ کار تھے۔ اس لئے مقدمات کی جگہ اللہ کا نام تھا۔ اس کے باوجود آپ اپنی دُھن کے پکے۔ محنت کئے جاتے تھے۔ جو انجام کار ٹھکانے لگی۔ جب عملی طور پر وکالت شروع ہوئی تو دیکھتے دیکھتے کہیں سے کہیں جا پہنچے۔ تا آنکہ ۱۹۰۶ء میں بمبئی ہائی کورٹ کے ایڈووکیٹ بن گئے۔

مگر اس سے بھی کئی برس پہلے یعنی ۱۹۰۰ء میں آپ کانگریس میں شامل ہوئے۔ گویا یہ سال اُن کی حیرت انگیز پبلک زندگی کی وہ گھڑی ہے، جب وہ بمبئی کی محدود قانونی دُنیا کے علاوہ ہندوستان کی سیاسی دُنیا میں بھی نظر آنے لگے۔

اس وقت بیسویں صدی کا آغاز ہونے کو تھا۔ یا یُوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ بیسویں صدی کا دور شروع ہو گیا تھا۔ جو چالیس بیالیس برس کے دوران میں دور انقلاب پا یا گیا۔ بہر حال اس وقت ہندو قوم جو کبھی نہیں سوئی تھی راہ عمل میں پیش پیش تھی۔ انگریزی تعلیم کی تحصیل بخوبی اختیار کر چکی تھی اور روز بروز ترقی کر رہی تھی۔ سرکاری دفاتر پر قابض تھی۔ آسودہ حال تھی۔ ان کے ساہوکاروں کا طبقہ سُود اور پھر سُود در سُود کے ذریعے خوُب پنپ رہا تھا۔ اُن کی سیاسی بیداری کا یہ حال تھا کہ کانگرس کے اکثر وبیشتر ممبر ہندو تھے اور صرف گنتی کے چند مُسلمان۔ بلکہ یُوں کہیئے کہ کانگرس کے اندر مسلمانوں کا عنصر آٹے میں نمک کے برابر بھی مشکل سے ہی تھا۔

اس وقت مسلمان سو رہے تھے۔ ان کی غالب اکثریّت کا دُوسرا شغل یہ تھا کہ ابھی کھوئی ہوئی حکُومت کے سوگوار تھے۔ اِسے از سرِ نو حاصل کرنے کا تو کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ مگر ان خوابیدگان کو خوابِ غفلت سے جگانے والی ہستی یعنی سر سیّد احمد خاں مرحوم و مغفور مصروف کار تھے۔ اُن کے بنا کردہ مسلم اینگلو اورینٹل کالج کو رونق حاصل ہو چکی

تھی۔ سر سید احمد خاں مسلمانوں کو دعوتِ عمل دے رہے تھے اور بقولِ اقبالؒ پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ:۔

ع مُسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو

مگر کئی کروڑ مسلمانوں میں سے محض خال خال مسلمان انگریزی تعلیم پا رہے تھے۔ ابھی ان میں ایسے لوگ موجُود تھے جو انگریزی تعلیم پانے والوں کو کافر سمجھتے تھے اور سر سید احمد خاں پر کُفر کا فتویٰ لگاتے تھے۔ انہی لوگوں کی نسبت مولٰینا حالیؒ نے طنز سے کہا ہے کہ:۔

ع سیّد احمد خاں کو کافر جاننا اسلام ہے

الغرض اس وقت ہندو خوش تھے تو مسلمان ناخوش۔ ہندو امید کا دامن پکڑے راہِ عمل پر گامزن تھے۔ اور مُسلمان غفلت کی چادر اوڑھے سو رہے تھے۔ اور جیسا کہ اُوپر لکھا گیا بہت ایسے تھے کہ کھوئی ہوئی حکومت کے سوگوار تھے۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ اُن کا ایک بھائی مشق سیاسیات میں مشغول ہے۔ اور اگرچہ اس وقت کانگرس کو منّت گزار بنا رہا ہے۔ مگر ایک وقت آنے والا ہے کہ ان کو گو سارے ہندوستان کی حکومت نہیں لیکن "پاکستان" کے نام سے ایک تہائی ہند کی ملوکیت ضرور دلا کر رہیگا۔

۱۹۰۰ء میں کانگرس میں شامل ہو کر محمد علی جناح نے ایک مُدّت تک سیاسی کام کیا اور ایسا شاندار کام، کہ کانگرس کو بھی جو آج ان کی شدید ترین مخالف ہے۔ اس کے اعتراف کے بغیر چارۂ کار نہیں۔

انگلستان سے واپس آنے کے بعد بھی آپ نے مسٹر دادا بھائی نوروجی

سے اپنے تعلقات قائم رکھے۔ نوروجی ایک زبردست کانگرسی تھے اُنہوں نے اپنے اشغالِ سیاسی میں محمد علی جناح کو شریک کار بنایا اور اپنا پرائیویٹ سیکرٹری مقرر کیا۔

۱۹۰۶ء میں کانگرس کا سالانہ اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا۔ اس کے صدر دادا بھائی تھے۔ اس موقعہ پر محمد علی جناح نے ایک تقریر کی اور دلائل وبراہین اور فصاحت و بلاغت کی وہ داد دی کہ کانگرس کے زُعما نے خراج تحسین و آفرین ادا کیا۔ غرض کہ اس تئیس برس کے نوجوان نے بڑے بڑے کہنہ مشق اور زمانہ دیدہ فاضلوں کے دلوں میں اپنی شخصیت کی دھاک بٹھا دی۔ اور اس ایک تقریر سے ہندوستان کے عرض وطول میں شہرت حاصل کی۔

۱۹۱۰ء میں آپ امپریل لیجسلیٹو کونسل (وائسرائے کی مجلس قانون ساز) کے ممبر انتخاب کئے گئے۔ قانون دانی اور قانون کی ترجمانی میں تو آپ شہرۂ آفاق ہو ہی چکے تھے۔ یہاں آکر قانون سازی میں بھی نام پیدا کیا۔ اور نہ صرف بحیثیت مجموعی ہندوستان کے اغراض و مقاصد کی نگہبانی کی۔ بلکہ مسلمانوں کے خاص قومی حقوق کی بھی پاسداری اور وکالت کرتے رہے۔ ایسے کتنے ہی قانون ہیں جن کے مباحث میں آپ کی تقریریں یادگار رہیں گی۔ ۱۹۱۳ء میں کانگرس نے ایک وفد انڈیا کونسل کی اصلاح پر زور دینے کے لئے انگلستان بھیجا، آپ اس کے ایک ممبر تھے۔

۱۹۱۸ء میں محمد علی جناح کی شادی بمبئی کے ایک پارسی رئیس سر ڈنشا پٹیٹ کی لڑکی سے ہوئی۔ شادی کے بعد کچھ مدت تک وہ آبائی مذہب

پر قائم رہیں پھر مسلمان ہوگئیں۔

بیس برس کانگرس کی عظیم الشان خدمت کرنے کے بعد آپ ۱۹۲۰ء میں علیحدہ ہوگئے۔ کیونکہ کانگرس نے ہندوستان کی سیاسی تحریک کو آئینی حدود کے اندر رکھنے کی بجائے اجلاسِ ناگپور (۱۹۲۰ء) میں حکومت برطانیہ سے عدم تعاون کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے بعد ہندوؤں اور مسلمانوں میں تصادم ہونے لگا۔ بلوے ہوئے۔ اور کانگرس قطعی طور پر محض ہندوؤں کی خیر خواہ بن گئی۔ یوں کہنے کو تو جب سے اب تک کانگرس کا یہی دعویٰ ہے۔ کہ وہ ہندوستان کے تمام فرقوں کی نمایندہ ہے، مگر محمد علی جناح نے دیکھ لیا کہ اب مسلمانوں کو کانگرس سے دوستی کی کوئی امید نہ رکھنی چاہیئے۔ بلکہ وہ ہر ممکن طریق سے مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر بھی ہندوؤں کے مفاد اور فوقیت کی راہ نکالے گی۔

بہرحال ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۴ء تک آپ نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتحاد کی انتہائی کوشش کی۔ مگر ناکام رہے۔ اب اُن پر اچھی طرح واضح ہوگیا کہ کانگرس اور باقی سب ہندو لیڈر یہی کوشش کرتے رہیں گے کہ مسلمانوں کو حکومت ہند میں کوئی پُراثر اور کارگر حصہ نہ مِلے اور وہ ہمیشہ ایک اقلیت کی حیثیت میں رہیں۔

اگرچہ آپ کانگرس کی رُکنیت کے زمانے میں بھی آل انڈیا مُسلم لیگ کے کام میں حصہ لیتے رہے تھے اور ۱۹۱۶ء کے سالانہ جلسہ کی صدارت آپ ہی نے کی۔ مگر کانگرس سے مایوس اور علیحدہ ہونیکے بعد وُہ مسلم لیگ کو مسلمانان ہند کی واحد نمایندہ جماعت بنانے اور سب سے یہ بات منوانے میں کامل طور پر مصروف ہوگئے۔ چنانچہ مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی جس میں مسلم لیگ پارٹی کی تشکیل و ترتیب

آپ ہی کی شرمندۂ احسان ہے۔

۱۹۲۴ء میں آپ کی زیر صدارت آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا۔ مدعا یہ تھا کہ لیگ جو کئی سالوں سے ایک بہت بڑی حد تک بیکار سی ہو رہی تھی۔ اس کا از سر نو احیاء کیا جائے۔ پنجاب کے عظیم الشان مسلمان کارکن اور لیڈر اور کونسل کے وزیر سر فضل حسین مرحوم نے اس اجلاس میں زبردست حصّہ لیا۔ اور محمد علی جناح نے اُس وقت پابندی آئین کے مدّنظر برطانوی حکومت سے یہی مطالبہ کیا کہ ہندوستان کو درجۂ نوآبادیات (کینیڈا اور ساؤتھ افریقہ کی مثال) دیا جائے۔ بہرکیف یہ اجلاس یوں تو بہت کامیاب رہا۔ مگر بعد میں مسلم لیگ ایک بار پھر سو گئی۔ سالانہ اجلاس تو عموماً منعقد ہوتے رہے۔ مگر کوئی خاص اہم کام بن نہ آیا۔

انجام کار ۱۹۳۳ء میں مسلمان لیڈروں کی ایک کانفرنس نے مسلم لیگ کو ایک باعمل اور کامل طور پر کارکن جماعت بنانے کا فیصلہ کیا اور محمد علی جناح کو دعوت دی کہ آپ لیگ کی تنظیم و توسیع اور اُسے مسلمانوں کا وسیلۂ کار اور حامی کار بنانے کا کام ہاتھ میں لیں۔ آپ اس وقت انگلستان میں مستقل رہائش اختیار کر چکے تھے اور وکالت کا کام پریوی کونسل کی عدالت میں کرتے تھے۔ مگر آپ نے قوم کی ضرورت کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور خدمتِ اسلام کے لئے وطن کو مراجعت کی۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان کے آئین جدید کی تعمیر میں اکابرین برطانیہ اور رہنمایانِ ہند مشغول تھے۔ اس سلسلے میں گول میز کانفرنس لنڈن کے ایک اجلاس میں محمد علی جناح بھی نمائندۂ اسلامیان ہند کی حیثیت میں شرکت کر چکے تھے۔ مگر جدید آئین کا حامل قانون ابھی پارلیمان انگلستان نے وضع نہ کیا تھا۔

الغرض محمد علی جناح آئے اور جس زور شور سے مُسلم لیگ کا کام کیا ایک دُنیا پر ظاہر ہے۔ فی الحقیقت مسلمانوں پر یہ اللہ کا کرم تھا کہ مولینا محمد علی کی اچانک موت کے بعد جب اسلامی ہند میں زعیم اسلام کی جگہ خالی ہو گئی تو اسی کے ہم نام کو قائد اعظم بننے کی توفیق عطا کی۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اگر آپ نہ ہوتے تو کیا ہوتا۔ مگر قیاس غالب ہے کہ مسلمانان ہند کتنے ہی کمتر رہنماؤں کے زیر اثر اتنے ہی حصوں میں منقسم رہتے۔ اور آج جو وقار، جو حیثیت، جو اثر و رسُوخ، جو قوت مسلمانوں کو اپنے محبُوب قائد کی سربراہی میں حاصل ہے اور جس کا وسیلہ مسلم لیگ کی پائدار تنظیم ہے۔ ہم اُس سے محروم ہی رہتے اور پاکستان تو بجائے خود رہا۔ ہندوؤں کے پاؤں تلے روندے اور کُچلے جاتے۔

اسلامیان ہند کی موجودہ حیثیت کا ایک ثبُوت خود مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی سے مِلتا ہے۔ جہاں اس وقت محمد علی جناح کی قیادت میں مسلم لیگ پارٹی کو ایک دقیع وزن حاصل ہے۔ وہ اپنی رائے سے چاہے تو حکومت کی بات منوائے اور چاہے تو کانگرس کی۔ لیگ پارٹی ان دونوں میں جس فریق کا چاہے پلڑا بھاری کر دے اور مدِّ مقابل کو شکست ہو۔ مسلم لیگ پارٹی کی طاقت کے متعلق یہ بات بلا خوفِ تردید اور بلا شائبہ مبالغہ کہی جا سکتی ہے کہ وہ محمد علی جناح کی ساختہ و پرداختہ اور آپ ہی کی حیرت انگیز شخصیت کی مظہر ہے۔

اصولِ ارتقاء کا یہ ایک جزو ہے کہ اپنے ماحول کے مطابق کام کرنے

والا کامیاب ہوتا ہے۔ چنانچہ انسان اپنے ماحول کی مخلوق ہے۔ عام کیفیت تو یہ ضرور ہے۔ مگر انسانی تاریخ اس امر کا ثبوت بھی مہیا کرتی ہے کہ بعض بندگانِ خدا نے ماحول جیسی اٹل شے کو بھی بدل دیا اور اسے اپنی راہ پر لے آئے۔ محمد علی جناح ایسے ہی زعماء میں سے ہے۔ ماحول کا بس چلے تو پاکستان کے خواب و خیال تک ذہن میں نہ آنے دے۔ مگر قائداعظم کا فیصلہ ہے کہ نہیں، پاکستان ایک خیال نہیں ایک امر واقعہ ہے جو عنقریب کامل طور پر وجود میں آجائے گا۔ اور خود مسلمان اسے ایک جیتی جاگتی، چلتی پھرتی اور زور سے زندہ رہنے والی ہستی بنائینگے۔

ہمارے قائداعظم کے اقوال و ارشادات بہ حیثیت مجموعی کیا ہیں؟ علمِ سیاسیات کے نصاب کی ایک کتاب جس کا مطالعہ دوست، دشمن سب پر واجب ہے۔ آپ نے ثابت کر دیا ہے کہ :-

۱۔ موجودہ مغربی طرز کی جمہوریت ہندوستان کے لئے غیر موزون ہے۔

۲۔ مجلس مشاورت یا مجلسِ قانون ساز میں ممبروں کی آرائے شماری کافی نہیں۔ ان کے ہوش و خرد کا اندازہ بھی لازم ہے اور یہ ضروری نہیں کہ اکثریت کی رائے صحیح ہو۔ اقبال نے موجودہ جمہوریت کی تعریف کس لطیف طنز سے کی ہے ؎

جمہوریت اِک طرزِ حکومت ہے کہ اِس میں
بندوں کو گِنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

۳ - ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین اتحاد تو ہونے سے رہا - تعاون ہوسکتا ہے - بشرطیکہ دونو کو اپنے اپنے وطن میں الگ الگ حکومت کرنے کا موقعہ دیا جائے -

۴ - مسلمان ایک قوم ہیں نہ کہ اقلیت اور اس لئے جہاں جہاں اُن کی اکثریت ہے - وہاں ان کو اپنی خود مختار ریاستیں قائم کرنے کا حق حاصل ہے -

۵ - ہندوستان حکومتِ برطانیہ سے جبھی مخلصی پا سکتا ہے کہ اہلِ ہنود ان کو پاکستان کی تعمیر سے نہ روکیں -

۶ - مسلمان پاکستان بنا کر رہیں گے - وہ ہندوؤں کی مدد کے بغیر بلکہ اُن کی مزاحمت کے باوجود اکیلے اس کام کے اہل ہیں -

۷ - کانگرس خالصتاً ہندو جماعت ہے - سارے ہند کی نمائندگی کا دعوٰے بیہودہ ہے اور دیانت داری کے خلاف -

۸ - مسلم لیگ اسلامیان ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہے -

۹ - پاکستان میں رہنے والی ہندو اقلیتوں سے منصفانہ بلکہ فیاضانہ سلوک کیا جائے گا -

۱۰ - ہندوؤں کے ہندوستان میں رہنے والی مسلم اقلیتیں یہاں تک پاکستان کی فدائی ہیں کہ اگر اُن سے ناروا سلوک کا بھی اندیشہ ہو تو وہ ہر قربانی اور تکلیف کے لئے ابھی سے تیار ہیں -

۱۱ - قائدِ اعظم فرماتے ہیں کہ ہمارا مطالبۂ پاکستان کسی قسم کی سودا بازی

پر مبنی نہیں ۔ مخالفین کو ایسا وہم فاسد اپنے دل سے نکال دینا چاہیئے اور خبردار رہنا چاہیئے۔ کہ مسلمانانِ ہند اپنی منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لئے لڑنے مرنے کو تیار ہیں ۔

یہ ہیں چند امور بطور "مشتے نمونہ از خروارے" یہاں مزید لکھنے کی گنجائش نہیں ۔ اور ضرورت بھی نہیں، کیونکہ کتاب قارئین کرام کے ہاتھ میں ہے ۔

خطبات

قائدِ اعظم

کا

وُہ خطبہ جو آپ نے "آل انڈیا مُسلم لیگ" کے اجلاس لکھنؤ

منعقدہ۔ اکتوبر ۱۹۳۷ء میں ارشاد فرمایا

خواتین و معززین! - آل انڈیا مسلم لیگ کی گزشتہ تیس سالہ زندگی میں یہ اجلاس بے حد اہم اور نہایت ضروری ہے -

جس پروگرام اور پالیسی کی تشکیل کے لئے آپ کو دعوت دی گئی ہے اُس پر مسلمانان ہند اور ملک کے مستقبل کا انحصار ہے۔ مسلم لیگ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء کو اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ رابطۂ عوام کی پالیسی اور پروگرام کو اختیار کیا تھا۔ لیگ نے رفتار زمانہ اور حالاتِ گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہوئے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے مطابق صوبجاتی آئین کے انتخابات کے متعلق یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ صوبجاتی آئین کے انتخابات میں ضرور حصہ لے گی - نیز یہ فیصلہ بھی کیا گیا تھا کہ اگرچہ یہ آئین قطعی طور پر غیر تسلی بخش ہے تاہم اس سے حتی الوسع بہرہ اندوز ہونے کی کوشش کیجائے۔ چنانچہ اس ضمن میں میں یہاں پر ۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء کی منظور شدہ قرارداد کو بجنسہٖ پیش کرتا ہوں :-

" اس ملک میں آئین جدید کے مطابق جو پارلیمنٹری طرز حکومت رائج کیا جا رہا ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کے مطابق ایسی جماعتیں معرض وجود میں آ جائیں جنکی پالیسی اور

پروگرام معین ہو اور وہ حلقہ ہائے انتخاب کے سیاسی رجحانات کو ایک خاص سانچے میں ڈھال دے۔ اور متقارب اغراض و مقاصد کی جماعتوں کے درمیان تعاون پیدا کر کے دستور حکومت کو حتی الامکان ملک کے لئے مفید بنا دے۔ اور چونکہ مسلمانوں کی تقویت و استحکام اور صوبجاتی حکومتوں میں مناسب و موثر حصہ حاصل کرنے کے لئے انکی ایسی جماعتی وحدت ضروری ہے جو کسی ترقی پسندانہ پروگرام کی حامل ہو۔ لہذا ان خیالات کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ آئیوالے صوبجاتی انتخابات میں انتہائی سرگرمی اور جدوجہد کے ساتھ شرکت کی جائے۔ چنانچہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مسٹر جناح کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی صدارت میں ایک ایسا مرکزی انتخابی بورڈ قائم کریں جس کے ممبروں کی تعداد ۳۵ سے کم نہ ہو اور اُسکو یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ مختلف صوبجات میں صوبجاتی انتخابی بورڈوں کی تشکیل کیساتھ ہی مرکز کے ساتھ اُن کا الحاق بھی کر سکے۔ اور ہر صوبے کے مخصوص حالات کے مطابق مندرجہ صدر مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے مناسب ذرائع اور وسائل تجویز کئے جائیں"

اس فیصلہ کے مطابق جون ۱۹۳۶ئہ میں مسلم لیگ کا ایک سنٹرل پارلیمنٹری بورڈ معرض وجود میں آگیا اور لیگ کی قرارداد و ہدایات کے مطابق مختلف صوبجات میں بھی صوبجاتی بورڈ قائم ہو گئے۔ لیکن کسی سابقہ تیاری اور موجودہ تنظیم کی عدم موجودگی کے باعث اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہونچانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اور بالخصوص ایسے حالات میں صوبجاتی انتخابات میں مقابلہ کرنا بھی بیحد دشوار تھا جبکہ مسلمان بحیثیت تعداد اقلیت میں ہونے کے ساتھ ہی تعلیمی اعتبار سے پس ماندہ اور اقتصادی لحاظ سے بالکل ناکارہ اور ناقابل ذکر ہوں۔ انکی معاشرتی اور اقتصادی اصلاح پر کبھی توجہ نہ کی گئی ہو اور

ہمارے مقابلے میں مُلک کی ہمسایہ اقوام ایک باقاعدہ پروگرام کے ماتحت تنظیم و ترقّی کی بیشمار منازل طے کر چکی ہوں۔ اور بالخصوص ہندو قوم اکثریّت میں ہونے کے ساتھ ہی تربیت، ضبط، تعلیم، تجارت اور مالی اعتبار سے بہت آگے نکل چکی ہو۔

لیکن یہاں پر مَیں اس بات کا ذکر کر دینا نہایت ضروری خیال کرتا ہوں کہ انتخابات کے اختتام سے قبل چھ ماہ کا کام بہ اعتبار نتائج بیحد حوصلہ افزا ثابت ہُوا اس لیے ہمیں مایُوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان تمام صوبجات میں جہاں پارلیمنٹری بورڈ اور لیگی پارٹیاں بنائی گئی تھیں وہاں پر کم و بیش ساٹھ ستر فیصدی لیگی امیدوار کامیاب ہو گئے۔ اور انتخابات کے اختتام کے بعد مَیں یہ دیکھ رہا ہوں کہ مدراس سے لیکر شمال مغربی سرحدّی صُوبے تک اب ہر صوبے میں ڈسٹرکٹ لیگیں قائم ہو چکی ہیں۔ گزشتہ اپریل سے مُسلمانان ہند بہ تعداد کثیر لیگ کے گرد جمع ہو رہے ہیں اور مجھے اس بات کا یقین ہے کہ جُونہی اُنہوں نے مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام کو سمجھ لیا تو مسلمانان ہند کی پوری آبادی اس کے پروگرام پر متفق ہو کر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیگی۔ مسلم لیگ ہندوستان کے لئے مکمل نیشنل ڈیموکریٹک سیلف گورنمنٹ (قومی و جمہوری حکومت خود اختیاری) کی طلبگار رہے۔ نادان و نافہم عوام کے استعمال کے لئے مختلف النوع ترکیبات مثلاً پورنا سوراج، حکومت خود اختیاری، مکمل آزادی، ذمہ دار حکومت، آزادی کا خلاصہ اور مستعمراتی درجہ وغیرہ کی اصطلاحات استعمال کی جارہی ہیں۔ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو مکمل آزادی کا ذکر کر رہے ہیں لیکن گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کو ہاتھ میں لے کر مکمل آزادی کا تذکرہ بیکار ہے۔ جو لوگ زیادہ شدّت کے ساتھ مکمل آزادی کا ذکر کر رہے ہیں وہی فی الحقیقت اس سے ناآشنا ہیں۔ کیا گاندھی اِرون

معاہدہ مطالبۂ مکمل آزادی کے مطابق تھا؟ کیا صوبجاتی آئین پر عمل پیرا ہونے اور وزارتوں کو قبول کرنے سے قبل حکومت سے جو وعدے لئے جا رہے تھے وہ پورنا سوراج کے مطابق تھے؟ اور جب حکومت نے یہ یقین نہ دلایا تو کیا عہدوں کو قبول کرنے اور اس صوبجاتی دستور پر عمل پیرا ہونے کی قرارداد جسکو حکومت برطانیہ نے تیار کر کے شاہی اقتدار کے بل پر اہل ہند پر مسلّط کر دیا تھا کانگرس پارٹی کے پروگرام، پالیسی اور اعلان کے مطابق تھا؟ کیا آئین کو تباہ کرنے کا مطلب اس پر عمل پیرا ہونا ہے؟ اس قسم کے کاغذی اعلانات، نعرے اور دعوے ہمیں کہیں بھی نہ لے جائیں گے۔ ہندوستان کے لئے ایک کامل متحدہ محاذ اور دیانتِ مقصد کی ضرورت ہے اور اس کے بعد جب عوام کی حکومت عوام کے ذریعہ سے اور عوام کے لئے ہوگی تو اُس کے نام کے متعلق ہمیں چنداں متفکر ہونے کی ضرورت نہیں۔ نام خواہ کچھ بھی ہو ہمیں تو کسی ایسے ہی نظامِ حکومت کی ضرورت ہے۔

کانگرس کے موجودہ لیڈروں نے خاص کر گزشتہ دس سال کے اندر ایسی ہندوانہ پالیسی اختیار کی ہے۔ جو مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کے لئے ذمّہ دار ہے۔ اور جب سے ہندوستان کے چھ صوبوں کے اندر انہوں نے اپنی اکثریت کی بنا پر حکومتیں قائم کی ہیں اُنہوں نے اپنے قول، فعل اور پروگرام سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ہرگز عدل و انصاف سے کام نہیں لینگے۔ جہاں کہیں وہ اکثریت میں ہیں اور جہاں کہیں انہیں یہ مفید معلوم ہوا اُنہوں نے مسلم لیگی پارٹیوں کے ساتھ تعاون سے انکار کر دیا۔ اور اُن سے غیر مشروط حوالگی اور اُن کے مرتبہ معاہدات پر دستخط کرنے کا مطالبہ کیا۔

کانگرس کا مطالبہ یہ تھا کہ اپنی پارٹی کو توڑ دو۔ اپنی پالیسی اور پروگرام کو ترک کر دو اور مسلم لیگ کا بالکل خاتمہ کر دو۔ اور جہاں اُنہوں نے صُوبہ سرحد کی طرح یہ محسوس کیا کہ ان کی اکثریت موجود نہیں تو وہاں پر اجتماعی ذمّہ داری کا مقدس اصُول غائب ہو گیا اور کانگرس پارٹی کو کسی دوسری جماعت کے ساتھ تعاون کی اجازت دیدی گئی۔ اگر کسی مسلمان نے منفرداً اپنے آپ کو کانگرس پارٹی کے حوالے کر کے اُس کے عہد نامہ پر دستخط کر دیئے تو اس کو وزارت کا عہدہ عطا کر کے مُسلمان وزیر کی حیثیت سے دکھایا گیا۔ حالانکہ ایسے مسلمانوں کو اسمبلی کے مسلمان نمائندوں کی اکثریت کا اعتماد و اعزاز ہرگز حاصل نہ تھا۔ ایسے لوگوں کو انکی "وفادارانہ" خدمات، غیر مشرُوط حوالگی اور کانگرسی معاہدات پر غیر مشرُوط دستخط کرنے کے حیلے میں مسلم وزرا کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ اور ان کو انکی غدّاری کے مطابق معاوضہ بھی دیا جاتا ہے۔ ہندی تمام ہندوستان کی قومی زبان ہوگی، بندے ماترم اس کا قومی ترانہ ہوگا اور اس کو جبراً ہر جگہ مسلّط کیا جائیگا۔ ہر کس و ناکس کو کانگرسی جھنڈے کی تعظیم و تکریم کرنی پڑے گی۔ ان قلیل و بے بضاعت اختیارات و ذمّہ داری کی ابتدائی منزل میں ہی ہندُوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہندوستان ہندوؤں کیلئے ہے۔ اور صرف کانگرس ہی ایک ایسی جماعت ہے جس نے قومیت کا بہرُوپ بھر لیا ہے۔ لیکن ہندو مہاسبھا بالکل بے نقاب ہو گئی ہے۔ مَیں یہ نہایت زور کے ساتھ بتا دینا چاہتا ہوُں کہ کانگرس کی اس پالیسی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جماعتی نفرت اور فرقہ وارانہ فسادات کے لئے سازگار حالات پیدا ہو کر برطانوی ملوکیت کی گرفت مضبُوط تر ہو جائے۔ مَیں نہایت جرأت کے ساتھ یہ کہہ دینا چاہتا ہوُں کہ

اس باب میں حکومت برطانیہ کانگرس کو کھل کھیلنے کی اجازت دیدے گی اور یہ کچھ اُس کے لئے کوئی بڑی بات بھی نہیں ۔ بلکہ بیحد مفید ہے بشرطیکہ اُس کے ملوکانہ اقتدار ومفاد پر کوئی اثر نہ پڑے اور اس کا حفاظتی نظم ونسق بدستور برقرار رہے ۔ لیکن میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ جس وقت کانگرس نے اہل ہند کے اندر زیادہ سے زیادہ اختلافات پیدا کر کے متحدہ محاذ کا کوئی امکان نہ چھوڑا تو انجام کار ایک نہایت خوفناک ردِّ عمل شروع ہو جائے گا ۔

یہاں پر یہ ذکر کر دینا بھی بے محل نہ ہوگا کہ اس قسم کی پالیسی سے جو تباہ کن نتائج پیدا ہونگے ان کی ذمّہ داری سے حکومت برطانیہ بھی اپنے آپ کو بری الذّمہ قرار نہ دے سکیگی ۔ یہ نہایت واضح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ آئین کے ماتحت گورنروں اور گورنر جنرل کو اقلیتوں کی حفاظت کے لئے جو خاص ذمّہ داری عطا کی گئی تھی وہ اُس کے استعمال میں نہایت بُری طرح ناکام رہے ہیں اور مسلم وزراء کے تقرر کے معاملہ میں بھی وہ دستور حکومت اور حکومت برطانیہ کی خاص ہدایات کی خلاف ورزی میں کانگرس کے ساتھ برابر کے شریک ہیں ۔ حالانکہ جس وقت کانگرس پارٹی نے گورنروں کے مخصوص اختیارات کے استعمال کے متعلق حکومتِ برطانیہ سے یہ وعدہ حاصل کرنیکی کوشش کی کہ انہیں استعمال نہیں کیا جائیگا تو اس وقت وزیر ہند لارڈ زیٹ لینڈ نے ان اختیارات کے استعمال اور اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت پر بطور خاص زور دیا تھا ۔ اسکے برعکس وہ مسلمانوں کو بطور مسلمان وزراء مقرر کرنیمیں کانگرس کے ساتھ برابر کے شریک ہیں حالانکہ انہیں اس بات کا علم ہے کہ اسمبلیوں کے اندر یا باہر مسلمان نمائندوں کی حیثیّت سے انہیں کوئی عزّت حاصل نہیں ۔ اگر اقلیتوں کی حفاظت کیلئے حکومت برطانیہ کی اختیار کردہ مقدس ذمہ داری

کی انجام دہی میں گورنر بالکل بے بس اور نا اہل ثابت ہوئے ہیں تو کیا وہ ایسے سینکڑوں معاملات میں جو عوام کے علم میں نہیں آئینگے یا اسمبلیوں اور روزمرّہ کے نظم و نسق میں انکے متعلق کسی کو علم بھی نہیں ہوگا وہ حفاظت کے فرائض انجام دے سکیں گے؟
اس معاملہ میں حالات زمانہ ہمیں کسی اَور طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ مَیں چاہتا ہوں کہ مُسلمان اس خوشگوار سبق کو بہت جلد سیکھ لیں کہ ان حالات میں اُن کا راستہ بالکل صاف ہے۔ انہیں یہ محسوس کر لینا چاہئیے کہ انہیں اپنے آپ کو باقی ہر قسم کے خیالات سے خالی الذہن ہو کر یکسوئی کے ساتھ منظم کرنے اور اپنی تمام قوتوں کو ایک مرکز پر لانے کا وقت آگیا ہے۔ مَیں اس سے قبل یہ اشارہ کر چکا ہوں کہ مسلمان باہم منقسم ہیں اور اُن میں ایک ایسی جماعت موجود ہے جو اپنی نجات کیلئے حکومت برطانیہ کے سہارے کی منتظر ہے۔ اگر اب بھی اُنہیں تلخ تجربات سے سبق حاصل نہیں ہوا تو وہ اسکے بعد کبھی بھی بیدار نہ ہو سکیں گے۔ خدا اُنہی کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کر سکیں۔ ایک دُوسری جماعت وہ ہے جو کانگرس سے امداد و حمایت کی طلبگار رہے انکے اس خیال کی وجہ یہ ہے کہ اُسے اپنی ذات پر کوئی اعتماد نہیں رہا۔ مَیں چاہتا ہوں کہ مسلمان اپنے اُوپر اعتماد کرنا اور اپنی تقدیر کو اپنے ہاتھ میں لینا سیکھیں۔ ہمیں ایسے راسخ العقیدہ، اہل ہمّت اور اصحاب عزم کی ضرورت ہے جو اپنے معتقدات کی حفاظت کیلئے تمام دُنیا کے مقابلے میں تن تنہا ڈٹ جانیکی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں۔ ہمیں طاقت اور عزم پیدا کرنا چاہئیے اور یہ طاقت و عزم مسلمانوں کے باہمی انضباط، اتحاد اور وحدت کے بغیر حاصل نہ ہو سکے گا۔

چونکہ کسی صاحب اختیار ہندو لیڈر کی طرف سے مفاہمت کیلئے کسی مخلصانہ خواہش اور دلچسپی کا اظہار نہیں ہو رہا اس لئے ہندوؤں کے ساتھ کسی سمجھوتے کا کوئی امکان

نہیں۔ معززانہ مفاہمت صرف مساوی الحیثیت جماعتوں کے درمیان ہی ممکن ہو سکتی ہے۔ اور جب تک فریقین میں باہمی عزت اور خوف کا جذبہ پیدا نہ ہو کسی مفاہمت کیلئے کوئی ٹھوس زمین تیار نہیں ہو سکتی۔ کمزور فریق کی طرف سے دعوت مصالحت کا مطلب ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ اسکو اپنی کمزوری اور ضعف کا اقرار ہے اور وہ فریق ثانی کے غصب وسلب کا تختۂ مشق بننے کیلئے تیار ہے۔ حب وطن، عدل، انصاف اور مروت کی تمام اپیلیں بے اثر ثابت ہوتی ہیں۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کیلئے کسی خاص سیاسی شعور کی ضرورت نہیں کہ جب تک تحفظات و مفاہمت کی پشت پر طاقت موجود نہیں ہو گی وہ محض کاغذ کے پرزے ثابت ہونگے۔ سیاسیات کا مطلب طاقت ہے اور یہ نہیں کہ عدل، انصاف اور مروت کی فریادوں پر بھروسہ کیا جائے۔ آپ اقوام عالم اور اُن کے روزمرہ کے واقعات سے سبق حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ آپ چین، سپین اور فلسطین کے اندوہناک واقعات پر غور کریں۔ میں آخر الذکر کا تذکرہ عنقریب کروں گا۔

کانگریس ہائی کمانڈ مختلف آوازوں کے ساتھ بول رہی ہے۔ ایک حلقے کی رائے یہ ہے کہ یہاں پر ہندو مسلم سوال اور اقلیتوں کا کوئی جھگڑا نہیں۔ دوسرے بلند خیال طبقے کی رائے یہ ہے کہ اگر اس وقت غیر منظم اور بے بس مسلمانوں کے رُوبرو چند ٹکڑے پھینک دئے جائیں تو ان کو اپنا مطیع و منقاد بنایا جا سکتا ہے۔ اگر اُن کا یہ خیال ہے کہ اس وقت کسی چیز کو مُسلط کیا جا سکتا ہے تو وہ یقیناً ایک افسوسناک غلطی میں مبتلا ہیں۔ اب آل انڈیا مسلم لیگ نے زندہ رہنے اور سیاسیات ہند میں اپنا سکہ جمانے کا عزم کر لیا ہے اس لئے اس حقیقت کا جس قدر جلد احساس کر لیا جائے گا وہ تمام جماعتوں اور مفادوں کے لئے اُسی قدر مفید ہو گا۔ تیسرے حلقے کی رائے یہ ہے کہ اس ناقابل گزر

تاریکی میں روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی لیکن جوں جوں کانگرس کو طاقت اور قوت حاصل ہوتی جاتی ہے وہ سابقہ کورے چیکوں کو پُر کرنے اور اُن پر دستخط کرنے کے وعدول کو فراموش کرتی جا رہی ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ ان حالات پر غور کرنے کے بعد مسلمانانِ ہند ایک ایسی معین اور ہمہ گیر پالیسی کے ذریعہ سے اپنی تقدیر کا فیصلہ کر لیں جس پر تمام ہندوستان میں نہایت وفاداری کے ساتھ عمل کیا جائے۔ کانگرسی مسلمانوں کیطرف سے غیر مشروط حوالگی کی تبلیغ بے حد خطرناک ہے۔ یہ شکست خوردہ ذہنیت کی انتہا ہے۔ کہ اپنے آپ کو دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں اور مسلمان قوم کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی بڑی غداری نہیں ہو سکتی۔ اور اگر اس پالیسی کو اختیار کر لیا گیا تو میں آپکو بتا دوں کہ مسلمان اپنے مستقبل کا اپنے ہاتھوں سے خاتمہ کر لیں گے اور ملک کی قومی زندگی اور حکومت میں وہ اپنے جائز حقوق سے محروم ہو جائینگے۔ صرف ایک چیز مسلمانوں کی حفاظت اور اُن کے کھوئے ہوئے وقار کی بحالی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اُنہیں چاہیئے کہ وہ سب سے پہلے اپنی روحوں کو مسخر کر کے اپنی اُن عظیم الشان روایات و اصول وحدت پر قائم ہو جائیں جو اُن کی سیاسی جماعت بندی کا طغرائے امتیاز ہیں۔ اگر مسلمانوں کو فرقہ پرست، ٹوڈی اور رجعت پسند کہا جاتا ہے تو آپ اس کی پروا نہ کریں۔ اگر کوئی بدترین ٹوڈی اور مذموم ترین فرقہ پرست آج اپنے آپ کو غیر مشروط طور پر کانگرس کے حوالے کر کے اپنے بھائیوں کو سب و شتم کا نشانہ بنالے تو وہ قوم پرستوں کا تاجدار بن جاتا ہے۔ ان اصطلاحات الفاظ اور گالیوں کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر احساس کہتری پیدا کر کے اُن کو کمزور و بزدل بنایا جائے اور ہمارے اندر اختلافات پیدا کر کے ہمیں دُنیا میں بدنام

کیا جائے ۔ یہ پراپیگنڈے کا وہ معیار ہے جس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے کی ضرورت ہے ۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی طے شدہ اور معیّن پالیسی یہ ہے کہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے حقوق وواجبات کی مؤثر حفاظت کی جائے ۔ اس کا بُنیادی اور سب سے بڑا اصُول یہی ہے ۔ یہی اسکی زندگی کا نصب العین ہے ۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مُسلم لیگ اور اسکے حامیوں سے کانگریس سخت ناراض ہو رہی ہے ۔ اور اس کے علاوہ ہے کیا جس پر کانگریس کو اعتراض ہے ؟ کانگریس بعینہٖ وہی کچھ کر رہی ہے جس کے متعلق ہم نے آج سے دو سال قبل فیصلہ کیا تھا ۔ لیگ اس بات کی ہرگز اجازت نہ دیگی کہ حکومت برطانیہ یا اسمبلیوں کے اندر اور باہر کوئی دوسری جماعت اُنکے مفاد کو کوئی نقصان پہونچا سکے ۔ کانگریس نے اپنے گزشتہ دعاوی کے باوجود مسلمانوں کے لئے اب تک کچھ نہیں کیا ۔ یہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو حفاظت کا یقین دلانے میں سخت ناکام رہی ہے ۔ کانگریس کی طرف سے مسلمانوں میں رابطہ عوام پیدا کرنے کی فریب آلود کوشش کا مقصد بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ اُن میں اختلاف پیدا کر کے ان کو کمزور بنایا جائے اور ان کو اپنے قابل اعتماد لیڈروں سے برگشتہ کر دیا جائے ۔ یہ نہایت خطرناک تحریک ہے لیکن کوئی شخص اس سے گمراہ نہیں ہو سکتا ۔ مختلف النّوع دلفریب دعووں اور نعروں کے باوجود اس قسم کی چالیں کامیاب نہ ہو سکیں گی ۔ اقلیتوں کے ساتھ انصاف کے بغیر کوئی دیانتدارانہ اور سیدھا راستہ نہیں ہو سکتا ۔ بھوک اور افلاس کے متعلق اس تمام شور کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان میں سوشلزم اور کمیونزم کا بیج بویا جائے حالانکہ وہ اس کے لئے تیار نہیں ۔ بحالات

موجودہ حکومت کے خلاف براہِ راست کارروائی کی پالیسی مسلم لیگ کے نزدیک بالکل فضول اور خودکشی کے برابر ہے۔ اس قسم کی دو کوششیں اب تک ناکام رہ چکی ہیں اور ان کے باعث لوگوں کو کافی مصیبت اور پریشانی کا مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ بیس سال کے تجربہ کے بعد انکو ترک کرنا پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم پر ایک زیادہ رجعت پسندانہ دستور مسلط کیا گیا اور لطف یہ ہے کہ اب کانگرس اس پر عمل پیرا ہے۔

ایک قرارداد کے ذریعہ سے گورنر جنرل سے یہ درخواست کرنا کہ وہ وزیر ہند کو ہمارے اس مطالبہ سے مطلع کردیں کہ حقِ رائے دہی بالغان کی بنا پر ایک نمائندہ اسمبلی کی معرفت ہندوستان کے آئندہ آئین کا خاکہ تیار کرا لیا جائے یہ بے خبری کی انتہا ہے اس سے یہ صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس قسم کا مطالبہ پیش کرنے والے واقعات و حقائق سے کس قدر ناآشنا ہیں۔ نمائندہ اسمبلی کے قیام کا حق صرف کسی والی ملک یا تاجدار کو حاصل ہے۔ شاہی اختیار کی معرفت ایسے نمائندگانِ ملک کی ایک مخصوص جماعت منتخب کرلی جاتی ہے جو اپنی مرضی کے مطابق ملک کا دستور مرتب کردیں۔ اس کے بعد اُن کا کام ختم ہو جاتا ہے اور اُن کا مرتبہ دستور ملک کے آئین حکومت کی حیثیت سے نافذ ہو جاتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ حق رائے دہی بالغان کی بنا پر حلقہ ہائے انتخاب کو معین کون کریگا اور اس بنا پر معین شدہ حلقہ ہائے انتخاب نمائندوں کی کس قدر تعداد کو منتخب کریں گے۔ اور ایسے حلقہ ہائے انتخاب میں اقلیتوں کا حشر کیا ہوگا اور حلقہ ہائے انتخاب کے اندر یہ شعور کیونکر پیدا ہو سکے گا کہ انہیں اس وسیع و عریض ملک کے دستور مرتب کرنیوالی مخصوص جماعت کو کس طرح منتخب کرنا چاہئیے۔ اور جماعت بھی وہ جماعت جس کو ترتیب دستور کا

کُلی اختیار حاصل ہوگا؟ اُس مشینری کو کون چلائیگا جو اس مخصوص جماعت کا انتخاب کریگی جسکو اپنی مرضی کے مطابق تشکیل دستور کا اختیار حاصل ہوگا؟ اور انجام کار یہ کہ اِس جماعت میں اقلیتوں کی حیثیت کیا ہوگی؟ کیا کانگرس کو واقعی یہ یقین ہے کہ وزیر ہندان تمام مطالبات وضروریات کو پورا کر دیگا۔ حالانکہ ابھی چند روز ہوئے کہ ہندوستان میں حکومت برطانیہ کے سب سے با اختیار اور بڑے نمائندے یعنی ہز ایکسیلنسی وائسرائے نے اپنی تقریر میں یہ کہا تھا کہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ ہندوستان کو مستقبل قریب میں فیڈریشن حاصل ہو جائیگی۔ اس کے علاوہ جب یہی وائسرائے ہندوستان آیا تھا تو اُس نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ فیڈریشن کی سکیم بحیثیت مجموعی اس قدر اچھی ہے کہ صوبجاتی آئین کے نفاذ کے بعد یہ بہت جلد رائج ہو جائیگی اور اب گزشتہ ڈیڑھ سال کے تجربہ نے اُس کے اس یقین کو اَور بھی پختہ اُور مستحکم کر دیا ہے اور اس کو یہ یقین ہے کہ ایک معقول عرصے کے اندر فیڈریشن قائم ہو جائیگی۔

اگر مُلک کا بحیثیت مجموعی مطالعہ کیا جائے تو تا حال کانگرس اس قابل نہیں کہ وہ عنانِ نظم ونسق کو سنبھال سکے۔ اور یہ حقائق کی نہایت دلچسپ تضحیک ہے کہ حکومت برطانیہ سے یہ توقع کی جائے کہ وہ نمائندہ اسمبلی قائم کریگی۔ اور جہاں تک کانگرس کا سوال ہے وہ اس صلاحیت سے قطعی طور پر بے بہرہ ہے۔ اس مقصد کے لئے یہ ضروری ہے کہ کانگرس سب سے پہلے مُلک کی تمام قابل ذکر جماعتوں اور مفادوں کو یکجا کر کے اپنے سائے تلے لے آئے۔ اور ایک غیر ملکی حکومت سے جو اس وقت مُلک کے اندر صاحب اختیار ہے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ فرقہ وار مسئلہ کے حل یا تمام جماعتوں

کی طرف نے کانگرس کے اقتدار کے اقرار کے بغیر کوئی ایسا قدم اٹھائیگی، بعینہ ایسا ہے جیساکہ گاڑی کو گھوڑے کے آگے کھڑا کر دیا جائے ۔ اس بات کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ ہندوستان کا ایک تہائی حصہ ہندوستانی ریاستوں اور والیانِ ریاست پر مشتمل ہے اور اُن کا نکتہ نگاہ بالکل مختلف ہے۔

بے کار کوششوں کے بجائے بہتر یہ ہے کہ کانگرس پُوری یکسوئی کے ساتھ اس بات کو سمجھ لے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں جو فیڈرل سکیم پیش کی گئی ہے وہ رائج الوقت آئین کے مقابلہ میں بھی بدرجہا رجعت پسندانہ ہے۔ اس لئے اس کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ حکومت برطانیہ کے نمائندوں کی طرف سے اس کے نفاذ کے متعلق جو دعوے کئے جا رہے ہیں انکو عملی جامہ پہننے نہ دیا جائے۔ اس باب میں کانگرس کیا کر رہی ہے ؟ کیا اُس کا یہ خیال ہے کہ وہ تنہا آپ پارٹی کی حیثیت سے اِسکے نفاذ کو روک دیگی ؟ یا کوئی اَور فارمولا بنا لیا جائیگا اور کانگرس اس کو بھی صوبجاتی آئین کی طرح اپنے بیشمار سرکردہ لیڈروں کی مخالفانہ غوغا آرائی کے باوجود قبول کر لے گی ؟

اب مَیں مسئلہ فلسطین کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہُوں، اس سے تمام مسلمانانِ ہند پر نہایت گہرا اثر پڑا ہے۔ حکومت برطانیہ کی تمام پالیسی یہی ہے کہ اس نے شروع سے لے کر آخر تک عربوں کو دھوکہ دیا ہے۔ برطانیہ نے اپنے اُس وعدے کو پُورا نہیں کیا جو جنگ عظیم کے دباؤ کے ماتحت کیا گیا تھا اور جسمیں یہ کہا گیا تھا کہ عربوں کو مکمل آزادی کی گارنٹی دی جاتی ہے اور ایک بین الاعراب وفاق کی تشکیل کا اعلان کیا جاتا ہے۔ عربوں کی سریع الاعتقادی سے پُورا فائدہ اُٹھایا گیا ہے۔ عربوں کو

جھوٹے وعدے دیکر انکو استعمال کرنے کے بعد برطانیہ نے بدنام خلائق اعلان بالفور کے ذریعہ سے اپنے آپ کو اُن پر مسلّط کر دیا اور یہودیوں کے لئے ایک قومی وطن بنانے کی پالیسی کے بعد اب برطانیہ فلسطین کو دو حصّوں میں تقسیم کرنا چاہتا ہے اور رائل کمیشن کی سفارشات نے اس المناک داستان کا آخری باب لکھ دیا ہے اور اگر اس کو نافذ کر دیا گیا تو عربوں کے اپنے وطن میں انکی تمام تمناؤں اور آرزوؤں کا خون ہو جائے گا۔ اور اب ہمیں یہ کہا جا رہا ہے کہ ہم اصل واقعات پر غور کریں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ حالات پیدا کس نے کئے ہیں؟ یہ برطانوی مدبّرین کی پیداوار ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جمعیتہ الاقوام رائل کمیشن کی سفارشات کی تائید نہیں کریگی اور خدا کرے کہ انکی تائید نہ کی جائے اور اصل حالات کا از سرِ نو جائزہ لیا جائے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا عربوں کو ان کا صلہ دینے کیلئے یہ کوئی دیانتدارانہ کوشش ہے؟ مَیں حکومت برطانیہ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر اُس نے مسئلہ فلسطین کا جرأت، دلیری اور انصاف کے ساتھ فیصلہ نہ کیا تو یہ حکومت برطانیہ کی تاریخ میں ایک جدید انقلاب کا دروازہ کھول دیگا۔ مَیں صرف مسلمانانِ ہند کی نہیں بلکہ اس معاملہ میں مسلمانانِ عالم کی ترجمانی کر رہا ہوں اور تمام انصاف پسند اور فکر مند اصحاب اس بات میں میری تائید کریں گے جب مَیں یہ کہونگا کہ اگر برطانیہ نے اپنے اُن مواعید، عزائم اور اعلانات کو جو زمانہ قبل و بعد از جنگ تمام دُنیا کے رُو برو غیر مشروط طور پر عربوں کے ساتھ کئے گئے تھے پورا نہ کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھود رہا ہے۔ مَیں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ عربوں کے اندر نہایت شدید احساس پیدا ہو چکا ہے اور حکومت برطانیہ جھلا کر اور جوش میں آ کر اعراب فلسطین کے خلاف نہایت سخت تشدّد کے

استعمال پر اُتر آئی ہے۔ مسلمانان ہندوستان عربوں کے اس منصفانہ اور جرأت آموزانہ جہاد میں اُنکی ہر ممکن امداد کریں گے۔ چنانچہ آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے مَیں اُنکو یہ پیغام بھیجنا چاہتا ہُوں کہ اس منصفانہ جنگ میں وہ جس عزم، ہمّت اور حوصلے کے ساتھ لڑ رہے ہیں وہ انجام کار کامیاب ہو کر رہیں گے۔

مَیں ہندوستان کے ہر شہر، تحصیل، ضلع اور صُوبے کے مسلمانوں کو یہ کہنا چاہتا ہُوں کہ وہ عوام کی بہبُود و فلاح کیلئے تعمیری اور ترقّی پسندانہ پروگرام بنائیں اور مسلمانوں کی معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی ترقی کیلئے مناسب ذرائع اور وسائل اختیار کریں، مَیں مُلک یا صُوبوں کی فلاح و ترقی کے لئے کام کرنیوالی جماعتوں کے ساتھ تعاون سے قطعاً گریز نہیں کرتا۔ مَیں آپ حضرات سے یہ درخواست اور اپیل کرتا ہُوں۔ کہ تمام مرد، عورتیں اور بچے آل انڈیا مسلم لیگ کے متحدہ پروگرام اور جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ ڈسٹرکٹ، پراونشل اور آل انڈیا مسلم لیگ میں سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں بہت جلد بھرتی ہو جاؤ۔ اپنے آپ کو منظم کر کے اپنے اندر وحدتِ مقصد و خیال پیدا کرو اور اپنے آپ کو تربیت یافتہ اور ضبط آشنا سپاہیوں کی طرح آراستہ کر لو۔ اپنے اندر اخوت و رفاقت کے جذبات پیدا کرو۔ اپنے ملک اور قوم کے لئے وفا اور دیانتداری کے ساتھ بے لوث قربانیاں کرو۔ صنعت، مشقت اور قربانی کے بغیر کوئی فرد اور کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ ملک کے اندر اس قسم کی طاقتیں موجود ہیں جو تمہیں پریشان اور سرگردان کریں اور تمہیں ہر قسم کی مشکلات کو برداشت کرنا پڑے۔ اور انہی قربانیوں اور آگ کے امتحان سے نکل کر آپ اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں اور اس طرح اپنے معتقدات و عزائم پر سختی کے ساتھ قائم رہ کر ہی کوئی قوم اپنی سابقہ شاندار روایات کو برقرار رکھ سکتی

ہے۔ اور یہی وہ چیزیں ہیں جو تاریخ عالم میں ہندوستان کے نام کو روشن کر سکتی ہیں۔ ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمانوں کو خائف ہونے کی ضرورت نہیں۔ اُنکی تقدیران کے اپنے ہاتھ میں ہے اور وہ ایک متحد، ٹھوس اور منظم طاقت کی حیثیت سے ہر خطرے اور ہر مزاحمت کا متحدہ محاذ کے ذریعہ سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ تمہارے اپنے ہاتھوں میں ساحرانہ قوت موجود ہے۔ اب تمہیں اپنے اہم فیصلوں پر ڈٹ جانا چاہیئے یہ نہایت اہم، ضروری اور نتیجہ خیز ہیں۔ کسی فیصلہ کرنے سے قبل ایک ہزار بار غور کرو لیکن جس وقت کوئی فیصلہ ہو جائے تو اُس پر شخص واحد کی طرح جم جاؤ۔ آپ کو صداقت شعار اور وفادار رہنا چاہیئے۔ بس اس کے بعد کامیابی اور فتح آپ کے پاؤں چومے گی۔

قائدِ اعظم

کا

وُہ خطبہ جو آپ نے "آل انڈیا مُسلم لیگ" کے سالانہ اجلاس پٹنہ

مُنعقدہ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء کو ارشاد فرمایا۔

مسلمانان پٹنہ وبہار نے جو شرف مجھے بخشا ہے مَیں اُس کے لئے شکرگزار ہوں۔ میرے واسطے یہ امر کمال مُسرّت کا موجب ہے کہ بہار اور ہندوستان کے دوسرے حصّوں سے مُسلمان اتنی کثیر تعداد میں شرکت اجلاس کی غرض سے آئے ہیں۔ اس سفر میں جو زحمت اُنہوں نے گوارا کی ہے مَیں اس کا شکریہ ادا کرتا ہُوں۔ مَیں اُن لوگوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہُوں جنہوں نے یہ عجیب پنڈال بنایا ہے اور اجلاس کی کامیابی کے لئے شان دار انتظامات کئے ہیں۔

اس سے پہلے کہ مَیں مسائل حاضرہ پر روشنی ڈالوں اپنی اور سب کی طرف سے مولانا شوکت علی کی وفات پر اظہار غم والم کرتا ہُوں۔ مولانا شوکت علی مرحُوم جلیل القدر انسان تھے اور اپنے نصب العین کے واسطے بڑی سے بڑی قربانی کے لئے تیار رہتے تھے۔ وہ میرے رفیق کار اور ذاتی دوست تھے۔ جو راستہ مرحُوم نے اختیار کیا تھا۔ آخر تک اسی پر گامزن رہ کر کامل سرگرمی اور جوش سے مسلم لیگ کے مقاصد کی حمایت کرتے رہے۔ مولانا کا سانحہ ارتحال میرا ذاتی نہیں بلکہ مُسلم قوم کا نقصان ہے اور ہندوستان بھر میں ان کا ماتم ہو رہا ہے۔ دُوسرے

عظیم المرتبت انسان کمال اتاترک تھے جنکی وفات سے عالم اسلام کو بڑا صدمہ پہونچا۔ ایران، افغانستان۔ مصر اور ترکی کے حالات پر نظر ڈالیئے تو معلوم ہوگا کہ کمال اتاترک مرحوم نے دُنیا کی دوسری اقوام کو بتا دیا کہ مسلمان بیدار ہو رہے ہیں۔ کیا کمال اتاترک مرحوم کی حوصلہ افزا مثال کو دیکھتے ہوئے بھی مُسلمانانِ ہند ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے۔ (نہیں نہیں کی آوازیں) مُسلم لیگ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم کی وفات پر اظہار غم کر چکی ہے ان کی وفات بھی اسلامی ہند کے واسطے ناقابل تلافی صدمہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم میرے ذاتی دوست اور بہترین شاعر تھے اُنکی یاد تا قیام اسلام باقی رہے گی۔ اور آئندہ نسلوں کی حوصلہ افزائی کا مُوجب ہوگی۔

کانگرس کا ڈہونگ

خواتین اور حضرات! اب مَیں مسلم لیگ کی حکمت عملی پر روشنی ڈالتا ہوں۔ آج سے تین سال پیشتر ہم نے بمبئی میں مسلم لیگ کی حکمت عملی معین کی اور ایک لائحہ عمل بنایا۔ اُس وقت صورت حال یہ تھی کہ سیاسی زندگی میں پیش پیش رہنے والے اکثر مُسلمان جاہ و منصب طلب تھے جو اپنی سہولت اور آسائش کے خیال سے دفتری اقتدار کے کیمپ یا دُوسرے کیمپ میں جو کانگرس کیمپ کہلاتا ہے شریک ہو جاتے تھے۔ جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ہم دفتری اقتدار کے کیمپ میں شریک ہو کر اپنی حالت بہتر بنا سکتے ہیں وہ اس کیمپ میں شریک ہو جاتے تھے۔ ان کا مقصُود اپنی معاشی حالت کو بہتر بنانا تھا۔ بعض یہ سمجھتے تھے کہ ہم کانگرس میں شامل ہو کر رفتار اور اقتدار حاصل کر سکتے ہیں یہ لوگ کانگرس میں شامل ہو جاتے تھے عوام اور میرے دوست مسلم نوجوان کانگرس کے ڈہونگ سے مسحُور تھے۔ نوجوان لوگ نعرول اور

مقرر کئے ہوئے خاص لفظوں پر یقین رکھتے ہیں. کانگرس نے ان کے واسطے جو دام بچھایا تھا یہ اُس میں پھنس گئے اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ کانگرس آزادیٔ ملک کے واسطے جنگ کر رہی ہے۔ وہ خود اخلاص مند تھے اس لئے یہ خیال نہیں کر سکتے تھے کہ لوگ منافق بھی ہو سکتے ہیں۔ انہیں یقین دلایا گیا کہ اصل سوال اقتصادی ہے اور جنگ دال بھات اور مزدور اور کسان کے واسطے کی جارہی ہے۔ ان کے صاف اور غیر تربیت یافتہ دماغ آسانی سے کانگرس کا شکار بن گئے۔ جب ہم نے جو کانگرسی لیڈروں کے پوشیدہ منصوبوں کو سمجھتے تھے اُنہیں بتایا کہ آپ کو گمراہ کیا جا رہا ہے تو ہمیں رجعت پسند اور فرقہ پرست ٹھہرایا گیا۔

۱۹۳۶ء میں صورت حال یہ تھی۔ مَیں خوش ہوں کہ اب حالات بدل گئے ہیں۔ ایک حقیقت آشکار ہو گئی وہ یہ کہ کانگرس ہائی کمان یہ چاہتی تھی کہ مسلمان اسکے لیڈروں کے خدمت گاروں کی حیثیت سے رہیں اور جب مقصد پورا ہو جائے تو انکی گردن پر کانگرس کی اطاعت کا جُوا رکھ دیا جائے اور وہ اپنی مرضی کے مطابق انہیں استعمال کرتی رہے۔ کانگرسی لیڈر چاہتے تھے کہ مسلمان غیر مشروط طور سے ہندو راج کو تسلیم کر لیں۔ اب اس ڈھونگ کی حقیقت کھل چکی ہے۔ اور ہمیں اس کا ثبوت مل گیا ہے۔ صدر مجلس استقبالیہ اپنے خطبہ میں کچھ ثبوت پیش کر چکے ہیں۔ مَیں انہیں مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے اس ملک کی حقیقی حالت صفائی کے ساتھ واضح کر دی۔ اور کانگرس کے عزائم و مقاصد کو بے نقاب کر دیا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کانگرس نے فسطائیت کے شاہی طریقہ سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مفاہمت کی امید کو ختم کر دیا ہے کانگرس مسلمانانِ ہند کے ساتھ سمجھوتہ کرنا نہیں چاہتی۔ جیسا کہ صدر مجلس استقبالیہ نے کہا کانگرس یہ چاہتی ہے کہ مسلمان سمجھوتہ تو اکثریت کے دیئے ہوئے تحفہ کے طور پر قبول کر لیں کانگرس

یہ بے اصل دعویٰ کرتی ہے کہ اسکو تمام ہندوستان کی نمایندگی کا حق ہے اور صرف وہی اچھا کام کر سکتی ہے دوسروں سے کہا جاتا ہے کہ تحفہ کو اس طرح قبول کر لیں کہ گویا وہ کسی طاقتور شہنشاہ کی طرف سے عطا کیا جا رہا ہے۔ کانگرس اعلان کرتی ہے کہ وہ مسلمانوں کی شکایات کا ازالہ کریگی وہ چاہتی ہے کہ مسلمان اس اعلان سے مطمئن ہو جائیں۔ مَیں یہ بتا دینا چاہتا ہُوں کہ مسلمان کوئی تحفہ کوئی رعایت نہیں چاہتے۔ مسلمان اپنے پورے حقوق حاصل کرینگے اور حقوق کی حیثیت سے حاصل کرینگے، تحفوں اور رعائیتوں کی حیثیت سے نہیں۔

جیسا کہ مَیں پیشتر بھی کہہ چکا ہُوں اس مُلک میں چار طاقتیں کارفرما ہیں، اوّل برطانی حکومت دوسرے والیان ریاست اور ان کی رعایا۔ تیسرے ہندو اور چوتھے مسلمان۔ کانگرس پریس جس قدر چاہے شور مچائے۔ کانگرس اخبار صبح، دوپہر، شام اور رات کے ایڈیشن شایع کریں، کانگرسی لیڈر خواہ کتنا ہی شور مچا کر لکھیں کہ کانگرس قومی انجمن ہے۔ لیکن میں کہونگا کہ یہ غلط ہے۔ کانگرس ایک ہندو جماعت ہے یہ حقیقت ہے اور کانگرسی لیڈر اس سے واقف ہیں۔ ایسے چند مسلمانوں کی موجودگی جنکو گمراہ کیا گیا ہے یا ان مٹھی بھر مسلمانوں کی شرکت جو کانگرس میں ذاتی اغراض کی بنا پر شامل ہیں کانگرس کو قومی جماعت نہیں بنا سکتی۔ کوئی شخص اس حقیقت سے انکار کرنیکی جرأت کرے کہ کانگرس ہندو انجمن نہیں ہے۔ مَیں پوچھتا ہُوں کیا کانگرس مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہے؟ (آوازیں نہیں نہیں)۔ مَیں دریافت کرتا ہُوں کہ کیا کانگرس عیسائیوں کی نمائندگی کرتی ہے (آوازیں نہیں نہیں)۔ مَیں معلوم کرنا چاہتا ہُوں کہ آیا کانگرس پسماندہ اقوام کی ترجمان ہے؟ (آوازیں نہیں نہیں) مَیں کہتا ہوں کہ آیا کانگرس غیر برہمنوں

کی نمائندہ ہے ؟ (آوازیں نہیں نہیں)۔

درحقیقت کانگریس تمام ہندوؤں کی بھی نمائندہ نہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ وہ ملک میں سب سے بڑی پارٹی ہے لیکن اس سے زیادہ نہیں۔ وہ جو خطاب چاہے اپنے سے وابستہ کرے۔ کانگریس ہائی کمان شرابیوں کی طرح نشہ اقتدار میں مست ہو کر جو دعوے چاہے کرے - لیکن ان دعوؤں سے اسکی حقیقت نہیں بدل سکتی۔ وہ بدستور ہندو جماعت ہی رہے گی۔

کانگریس نے اقلیتوں کو کچلنے کا تہیّہ کر رکھا ہے!

ایسے دعوے چند اشخاص کو تھوڑی دیر کے لئے مبتلائے فریب کر سکتے ہیں لیکن ہمیشہ سب لوگوں کو دھوکے میں نہیں رکھ سکتے اور مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونکی جا سکتی۔ مجھے یقین ہے اور غالباً آپ کو بھی یقین ہے کہ کانگریس قومی جماعت نہیں۔۔ جو لوگ اب غلط فہمی میں مبتلا ہیں انکی آنکھیں بھی جلد کھل جائینگی۔ (ان لوگوں کی نہیں جو بے دیانتی سے کانگریس کو قومی جماعت سمجھتے ہیں) یہ ملک کی بدقسمتی ہے کہ کانگریس ہائی کمان ہندوستان میں تمام جماعتوں اور ثقافتوں کو کچل کر ہندو راج قائم کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ نام تو قومی حکومت کا لیتے ہیں لیکن اس سے مراد ہندو حکومت ہوتی ہے مگر حقیقت حال جلد ہی آشکار ہو گئی۔ نئے آئین کے تحت نشہ اقتدار سے بدمست ہو کر اور چھ یا سات صوبوں میں اکثریت حاصل کر کے کانگریس کے ڈھول کا پول جلد ہی کھل گیا۔ اپنے زمانۂ اقتدار میں کانگریس نے کیا کیا۔ قوم پرستی کے تمام بلند بانگ جھوٹے دعوؤں کے باوجود اُس نے براہ راست آغاز کار "بندے ماترم" سے کیا۔ اُس نے تسلیم کیا کہ بندے ماترم قومی

گیت نہیں تاہم اُس کو دوسروں کے سر منڈھا گیا۔ یہ گیت نہ صرف کانگریس کے اجتماعات میں گایا جاتا ہے بلکہ میونسپل اور سرکاری مدارس میں مسلم طلبہ کو بھی اس گانے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے۔ مسلم طلبا کو خواہ اُن کا مذہبی عقیدہ اسکی اجازت دیتا ہو یا نہ دیتا ہو اُنہیں "بندے ماترم" کو قومی گیت سمجھنا چاہیئے۔ بندے ماترم مشرکانہ اور مسلمانوں کے خلاف نفرت کا گیت ہے۔

کانگریس کے جھنڈے کو دیکھئے۔ یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ یہ جھنڈا قومی نہیں تاہم اس کا احترام ہر شخص سے کرایا جاتا ہے اور اس کو سرکاری اور پبلک عمارات پر لہرایا جاتا ہے۔ اسکی پروا نہیں کی جاتی کہ مسلمان اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ کانگریس کے جھنڈے کو ہندوستان کا قومی جھنڈا بنایا اور مسلمانوں کو اس کے تسلیم کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

ہندی ہندوستانی کے مسئلہ پر نظر ڈالیئے۔ صدر مجلس استقبالیہ اس باب میں جو کچھ کہہ چکے ہیں مجھے اس پر مستزاد کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیا اب بھی کسی کو شک ہے کہ ہندی ہندوستانی کی سکیم اردو کو فنا کرنے کے لئے نافذ کی گئی ہے۔

واردھا سکیم

واردھا کی تعلیمی سکیم پر نظر ڈالیئے۔ کیا اس کی ترتیب کے وقت مسلمانوں سے مشورہ کیا گیا۔ یہ تمام سکیم مسلمانوں کی عدم موجودگی میں وضع اور مرتب کی گئی۔ اس کا بانی کون ہے؟ اس کے پیچھے کس کا دماغ کارفرما ہے؟ جناب گاندھی۔ مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ جس مقصد اور نصب العین کے پیش نظر کانگریس قائم کی گئی تھی جناب گاندھی اس کو تباہ کر رہے ہیں۔ وہ کانگریس سے ہندوازم کی تجدید کا کام لینا چاہتے ہیں مقصود ہندو مذہب

کو تازہ اور ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنا ہے اور جناب گاندھی کانگرس سے اس مقصد کا کام لے رہے ہیں۔

مُسلمانوں کی زندگی میں مداخلت

مسلمانوں میں واردھا سکیم کا ردِ عمل یہی ہو سکتا تھا جو ہُوا۔ آپ نے پیر پور رپورٹ پڑھی ہو گی اس پر اضافہ کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی صُورت حال کو ایک جملہ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ ہندو ذہنیت اور ہندو نظریہ کی ترویج کی جا رہی ہے اور مسلمانوں کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس کے قبول کرنے کے لئے مجبور کیا جا رہا ہے۔ کیا مسلمانوں نے بھی کسی جگہ ایسی حرکت کی ہے۔ کیا انھوں نے کہیں ہندوؤں کو اسلامی ثقافت پڑھنے کی جدّوجہد کی ہے لیکن اس کے باوجُود مسلمانوں نے جہاں خفیف سی آواز اُٹھائی کہ ہندو ثقافت کیوں ہمارے سر مڑھی جا رہی ہے تو انہیں فرقہ پرست اور شورش انگیز ٹھہرایا گیا اور کانگرس کی جابرانہ قوّت انکے خلاف حرکت میں آگئی۔ بہار کے واقعات کو ہی دیکھ لیجئے۔ کانگرسی حکومتوں میں کس کی ثقافت کو دبایا گیا؟ مسلمانوں کی ثقافت کو۔ کس کے خلاف جابرانہ احکام جاری ہوئے کس کے خلاف امتناعی تدابیر اختیار کی گئیں۔ کن لوگوں کو گرفتار کیا گیا؟ مسلمانوں کو۔ مجھے ایک ایسا واقعہ بتایا جائے کہ گزشتہ ۲½ سال میں مسلمانوں نے کسی جگہ ہندوؤں پر اپنی تہذیب عائد کرنیکی کوشش کی ہو! (آوازیں کسی جگہ نہیں)

مسلمانوں کی سرگرمیاں

مَیں اس موضوع پر مزید روشنی ڈالنا نہیں چاہتا۔ کانگرس کے متعلق مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ

چکا ہوں۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے آل انڈیا مسلم لیگ تبریک و تہنیت کی مستحق ہے کہ اُس نے مسلمانوں میں قومی احساس پیدا کر دیا۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں مسلمان اس قوم کی مانند تھے جو اپنا اخلاقی۔ ثقافتی اور سیاسی شعور کھو چکی ہو۔ ہنوز آپ نے اخلاقی ثقافتی اور سیاسی شعور کا وہ درجہ حاصل نہیں کیا ہے۔ ابھی تو آپ بیدار ہوئے ہیں اور آپ کے سیاسی شعور میں حرکت پیدا ہوئی ہے۔ کانگرس کا دعوے غلط ہو، یا صحیح اس سے قطع نظر کرتے ہوئے آپ دیکھتے ہیں کہ ہندوؤں نے اخلاقی۔ ثقافتی اور سیاسی شعور کے ضروری اوصاف پیدا کر لئے ہیں اور ان اوصاف نے ہندوؤں کے قومی احساس کی صورت اختیار کر لی ہے۔ یہی طاقت ان کے پس پشت کارفرما ہے۔ میں چاہتا ہوں مسلمان بھی یہ طاقت پیدا کر لیں۔ جب آپ یہ طاقت پیدا کر لیں گے تو جس چیز کے حصول کا ارادہ کریںگے وہ حاصل ہو جائیگی۔ سروں کا گننا (رائے شماری) اچھی بات سہی لیکن گنتی قوموں کی تقدیر کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ ابھی آپ کو قومیت اور قومی انفرادیت پیدا کرنی ہے یہ بڑا کام ہے اور ابھی آپ نے اسے شروع ہی کیا ہے تاہم مجھے کامیابی کی قوی امید ہے۔ جو ترقی ہو چکی ہے وہ اعجاز سے کم نہیں۔ مجھے خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ ہم ایسا حیرت انگیز مظاہرہ کر سکیں گے جو آج پیش نظر ہے لیکن اس کے باوجود ہنوز کام کا آغاز ہے۔

فلسطین

دُوسرا اہم مسئلہ جو سبجیکٹس کمیٹی میں پیش ہوگا فلسطین کا ہے مجھے معلوم ہے کہ اس مسئلہ نے مسلمانوں میں کس قدر اضطراب پیدا کر دیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ضرورت ہوئی تو مسلمان ان اعراب فلسطین کی مدد کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریںگے جو قومی آزادی

کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ عربوں کے ساتھ بے شرمانہ سلوک کیا گیا ہے اپنی آزادی کیواسطے لڑنے والوں کو ڈاکو بتایا اور ہر قسم کی سخت گیری کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ اپنے وطن کی حفاظت کے جرم پر انہیں بندوق کی سنگین مارشل لاء جاری کرکے دبایا جارہا ہے۔ لیکن دنیا کی کوئی قوم جو زندہ رہنے کی مستحق ہے کوئی بڑا کام ان قربانیوں کے بغیر نہیں کرسکتی جو اعراب فلسطین کر رہے ہیں۔ ہماری تمام ہمدردیاں ان بہادر غازیوں کے ساتھ ہیں جو غاصبوں سے حریت کی خاطر جنگ کر رہے ہیں۔ عربوں کے ساتھ سخت ناانصافیاں کی جارہی ہیں۔ برطانی ملوکیت اُن بین الاقوامی یہودیوں کے لئے عربوں سے غیر منصفانہ سلوک کر رہی ہے۔ جنکے ہاتھ میں دولتِ دنیا کی کنجیاں ہیں۔ یہ مسئلہ بھی زیرِ غور آئیگا۔

ریاستوں میں کانگرس کی ریشہ دوانیاں

دُوسرا مسئلہ جو زیرِ غور آئے گا وہ ریاستوں میں پیدا ہونے والی صورتِ حالات ہے آپ نے اس موضوع پر صدر مجلس استقبالیہ کے خیالات سنے ہیں۔ مَیں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے۔ ہمیں ریاستی باشندوں کے مقاصد سے پوری ہمدردی ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ ریاستی باشندوں کی تائید و حمایت سے کانگرس کا وہ مقصود نہیں جو ظاہر کیا جاتا ہے۔ مَیں صرف ایک سوال کرونگا۔ ریاستوں میں یہ شورش کیوں ہے؟ حیدرآباد میں آریہ سماجیوں اور ہندو مہاسبھائیوں کی تمام طاقتیں کیوں جمع کیجارہی ہیں مَیں کانگرس سے پوچھتا ہوں کہ وہ کشمیر میں کیا کر رہی ہے۔ آریہ سماجی۔ ہندو مہاسبھائی کانگرسی قوم پرست اور کانگرسی اخبار یہ سب کشمیر کے معاملہ میں کیوں چُپ سادھ رہے ہیں۔ کیا اس وجہ سے کہ کشمیر ہندو ریاست ہے؟ کیا اس وجہ سے کہ کشمیر کی آبادی میں

مسلمانوں کی اکثریت ہے؟ ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ کانگرس کی ہمدردی کا جو حقیقی مُدعا ہے میں سمجھتا ہُوں اس کے متعلق مجھے کوئی غلط فہمی نہیں۔ سبھاش چندر بوسؔ نے ایک تقریر میں کہا تھا کہ کانگرس ریاستی باشندوں کے ساتھ اتحاد قائم کرنا چاہتی ہے۔ مَیں پُوچھتا ہُوں صرف ان ریاستی باشندوں کے ساتھ جو ہندُو ہیں یا مسلمانوں کے ساتھ۔ اپنے موجُودہ آئین کی رُو سے مسلم لیگ ریاستی معاملات میں مداخلت نہیں کرسکتی۔ لیکن مَیں یہ واضح کر دینا چاہتا ہُوں کہ اگر کانگرس اپنے موجُودہ منصوبوں کے ساتھ حیدر آباد جیسی مسلم (ریاست) میں سرگرم کار رہی تو ریاستوں میں مداخلت کے مسئلہ کے متعلق مسلم لیگ کو اپنی روش پر نظر ثانی کرنی پڑے گی۔ ہم ہندو ریاستوں کے رہنے والے مسلمان بھائیوں کو ظالموں اور ناجائز فائدہ اٹھانے والوں کے رحم پر نہیں چھوڑ سکتے۔

کانگرس اور فیڈریشن

دُوسرا مسئلہ فیڈریشن کا ہے جس پر غور کیا جائیگا۔ کانگرس کو کہنے دیجئے کہ فیڈریشن قبول نہیں کیا جائے گا۔ مَیں کانگرس کے اعلانات پر یقین نہیں رکھتا۔ کانگرس فیڈریشن کو بھی اسی طرح قبول کرے گی جس طرح اُس نے آئین کے صُوبائی حِصّہ کو منظور کرلیا تھا۔ سبھاش چندر بوس نے نہایت بلند آہنگی سے کل ہی یہ اعلان کیا ہے کہ انفرادی طور پر کانگرسی لوگ خواہ کچھ کہیں، کانگرس کلیتًہ فیڈریشن کو مسترد کردیگی۔ مَیں ایسے اعلانات پر اعتماد نہیں کرتا۔ مجھے معلوم ہے کہ ایک کانگرسی لیڈر نے یہ بھی کہا کہ ہم نظر ثانی اور ترمیم سے مطمئن ہوجائینگے۔ اگر انتخابی اصُول تسلیم کرلیا گیا تو کانگرس اس سے خوش ہوجائیگی۔ ایک اور کانگرسی لیڈر نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اگر فیڈریشن کی سکیم میں اس طرح ترمیم کردی جائے کہ اس سے جوہر آزادی

حاصل ہو سکے تو کانگرس اس کو قبول کرلے گی اور اس طرح ناخوشگوار اور ناممکن العمل سکیم خوشگوار اور قابل عمل بن جائیگی۔ میں کہتا ہوں کہ کانگرس لیڈر پھر ایک بار مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں لیکن میں اعلان کرتا ہوں کہ مسلمانوں کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔ مسلمان وہ نہیں جو آج سے تین سال پیشتر تھے۔ کانگرس کا مقصود اس ناقص اور قابل اعتراض آئین میں ٹھوس اکثریت حاصل کرنا ہے۔ اگر اکثریت حاصل ہو جائے۔ تو وہ بڑی خوشی سے اس کو منظور کرلے گی اور اس کے بعد اسلامی تہذیب اور تنظیم کو تباہ کرنے کیلئے اپنی سکیم پر عمل پیرا ہوگی اور کانگرس فسطائی نوعیت کی واحد جماعت بنانے کی کوشش کرے گی۔ اس طرح ہندوستان میں ہندو راج قائم کیا جائے گا۔

کانگرس کی سازشیں

کانگرسی لیڈر اپنے مقاصد کو جانتے ہیں۔ سات صوبوں میں انہیں اکثریت حاصل ہے اور حکومتیں قائم ہیں۔ صرف چار صوبے رہ گئے ہیں اب وہ ان پر بھی للچائی ہوئی نظریں ڈال رہے ہیں۔ گاہ گاہ یہ شور مچاتے ہیں کہ ان چار صوبوں کی حکومتیں ٹوٹنے والی ہیں اور اکثریت کے باوجود قائم نہیں رہ سکتیں۔ کانگرسی لیڈر جانتے ہیں کہ ان چار صوبوں میں وزارتیں بہت مستحکم ہیں پھر بھی وہ چاہتے ہیں کہ ان میں سے کسی صوبہ کے اندر کانگرسی حکومت قائم ہو جائے۔ لیکن کانگرس کے منصوبوں کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں مجھے صوبہ سرحد کے دوستوں سے ملنے کا اتفاق ہوا انہوں نے بتایا کہ سیدھے سادے پٹھانوں کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ کانگرس عوام کی بہبودی اور فلاح چاہتی ہے اور مسلم لیگ ملوکیت کی حامی اور حلیف ہے۔ اس سے بڑا جھوٹ نہیں ہو سکے گا۔ مجلس وضع آئین کے اندر یا باہر میں نے کبھی کسی موقع پر

بھی ملوکیت کی حمایت کی ہے؟ چہ جائیکہ مجھے ملوکیت کا حلیف ثابت کیا جائے۔ (آوازیں نہیں نہیں)۔

شائد بیشتر کچھ ایسے مسلمان تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ برطانی ملوکیت سے مل کر اپنے مقاصد حاصل کیئے جا سکتے ہیں لیکن اب یہ غلط فہمی دُور ہو چکی ہے۔ مَیں کہتا ہُوں کہ مسلم لیگ کسی کی حلیف نہیں بنے گی مسلمانوں کے مفاد کے لئے ضروری ہُوا تو شیطان سے بھی اتّحاد کرلے گی

(اس وقت اجلاس میں کامل سکُوت طاری ہو گیا)

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد قائدِ اعظم نے فرمایا۔ ہمیں ملوکیت سے محبت نہیں لیکن سیاسیات میں اسی طرح چالیں چلنی پڑتی ہیں۔ جس طرح شطرنج کی بساط پر۔ مُسلمانوں اور مسلم لیگ کا اتّحادی مسلم قوم کے سوا کوئی نہیں اور خدائے واحد ہے جسکی طرف اعانت کے لئے مسلمانوں کی نظریں اُٹھتی ہیں۔ (نعرہ ہائے تحسین)

فیڈریشن کے متعلق کانگرس کا کھیل صاف ہے۔ اگر فیڈرال حکومت پر کانگرس کا قابو ہو گیا تو وہ ان بالواسطہ یا بلاواسطہ اختیارات سے جو فیڈرل حکومت کو حاصل ہوں۔ آنریبل فضل الحق صاحب کی حکومت کو بنگال اور آنریبل سر سکندر حیات خاں کی حکومت کو پنجاب میں نہ ہونے کے برابر کردے گی۔ اس طرح کانگرس کو سات صوبوں میں خداداد تحفہ کے طور پر عظیم اکثریت حاصل ہو جائے گی اور باقی چار صوبے کانگرس ہائی کمان کے باج گزار بن جائیں گے۔

مَیں نے کانگرس کا مقصد صحیح سمجھا ہے۔ اس لئے کہتا ہوں کہ فیڈریشن کی مخالفت دیانتدارانہ نہیں۔ کیا میں نے غلط سمجھا ہے؟ (آوازیں نہیں نہیں)۔

خواتین اور حضرات ۔ اب فیصلہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے ۔ تمام ذمہ داری آپ پر
ہو گی ۔ آپ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں ۔ معمولی اور چھوٹے مسائل پر اپنی توجہ منعطف نہ
کیجئے ۔ یعنی ایسے مسائل پر کہ فلاں کو لیگ کی ورکنگ کمیٹی میں شامل نہیں کیا گیا ۔ فلاں کو
مسلم لیگ میں نہیں ہونا چاہئیے ۔ مسلمانوں کو جو مسائل در پیش ہیں ایسی معمولی باتوں کے باعث
اُن سے توجہ نہیں ہٹانی چاہئیے ۔ آج صبح ہی چند نوجوان میرے پاس آئے اور کہا کہ فلاں
فلاں اشخاص لیگ میں نہیں ہونے چاہئیں ۔ میں ان نوجوانوں اور دوسرے لوگوں
سے کہتا ہوں کہ لیگ ابھی وہ نہیں جو اس کو ہونا چاہئیے ۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ایسے
لوگ لیگ میں شامل ہیں جو سچے لیڈر نہیں ۔ لیکن مسلم لیگ تمام مسلمانوں کی جماعت ہے
میں اپنے نوجوان دوستوں سے کہتا ہوں کہ اگر لیگ کو بلند ترین مقام پر پہنچانا ہے
تو باہر رہ کر اعتراض نہ کیجئے اس میں شامل ہو جائیے اور اسکی اصلاح کیجئے (نعرہ ہائے تحسین)۔
میں ہر ایک مسلمان سے درخواست کرتا ہوں کہ مسلم لیگ میں شامل ہو جاؤ ۔ یہ آپکی جماعت
ہے یہ کسی کی جائداد یا ملکیت نہیں آپ اسکو جیسا چاہیں بنائیں ۔

مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا ہوں ۔ معاف کیجئے کہ میں نے خرابی صحت کی بناء پر زبانی
خطبہ دیا ۔ اس کو لکھ لیں ۔ اس کے علاوہ میں اور بھی تقریریں کر چکا ہوں ۔ آخری بار
اکتوبر میں بمقام کراچی تقریر کی تھی ۔ وہاں بھی ان مسائل کے متعلق اپنے خیالات ظاہر
کئے تھے ۔ یہ خیالات آپ کو اچھی طرح معلوم ہیں ۔

خواتین اور حضرات ۔ یہ مسرت کا مقام ہے کہ مسلمانوں میں بیداری پیدا ہو گئی ہے
وہ حقیقی مسائل کو سمجھنے لگے ہیں ۔ یہ ایک بڑا آغاز ہے اگر اس بڑے آغاز کے بعد آپ اپنی
طاقتوں کو جمع کریں اور ایک منظم فوج کی طرح ان سے کام لیں تو فتح آپ کی ہو گی ۔

قائد اعظم نے اُردو میں تقریر کرتے ہُوئے مسلمانوں کو اپنے اختلافات دور کرنے کی نصیحت کی اور کہا کہ جب کانگرس نے مسلمانوں سے رابطہ پیدا کرنے کی تحریک شروع کی تھی تو اس وقت عام مسلمان اس کے ساتھ تھے لیکن یو۔ پی اور ہزاری باغ کے ضمنی انتخابات نے کانگرس کے چیلنج کا موزوں جواب دے دیا۔ اور اب یہ حال ہے کہ مولانا شوکت علی مرحوم کی وفات سے مرکزی اسمبلی میں جو نشست خالی ہوئی تھی کانگرس نے اس کے لئے اپنا امیدوار کھڑا ہی نہیں کیا۔ اب کانگرس کی مسلم رابطہ عام کمیٹی کہاں ہے؟ اب کانگرس کو یہ رابطہ چھوڑ دینا چاہیئے۔

ہم سے کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ سمجھوتہ کا امکان نہیں " آزادانہ لائنوں " پر بھی ان کا اعتماد حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں انتظار کرنا اور دیکھنا چاہیئے کہ وہ آزادانہ لائنیں کیا ہیں۔ جو مسلمان کانگرس میں شامل ہیں ان کا فائدہ اسی میں ہے۔ کہ وہ مسلم لیگ میں شریک ہو جائیں اور اسی میں تمام مسلمانوں کی بہبودی ہے۔

قائدِ اعظم

کا

وہ خطبہ جو آپ نے "آل انڈیا مُسلم لیگ" کے اجلاسِ لاہور

منعقدہ مارچ ۱۹۴۰ء میں ارشاد فرمایا۔

خواتین و حضرات! آج پندرہ مہینوں کے بعد یہ اجلاس ہو رہا ہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا گذشتہ اجلاس دسمبر ۱۹۳۸ئہ میں بمقام پٹنہ منعقد ہُوا تھا۔ اس وقت سے آج تک بہت اہم واقعات رُونما اور حالات پیدا ہو چکے ہیں۔ مَیں اوّل اجمالاً اُن مسائل اور امُور کا ذکر کرُونگا جو آل انڈیا مسلم لیگ کو اجلاس پٹنہ کے بعد پیش آئے۔ یہ حقیقت آپ کو معلُوم ہے کہ ایک کام جو ہمارے سپرد کیا گیا تھا اور جو ہنوز تشنۂ تکمیل ہے وہ یہ تھا کہ ہندوستان بھر میں مسلم لیگ کی تنظیم کیجائے۔ اس تنظیم نے گزشتہ پندرہ مہینوں کے اندر بہت ترقی کی ہے۔ مَیں آپ کو یہ مسرت آمیز اطلاع دیتا ہُوں کہ ہم نے ہر ایک صوبہ میں مسلم لیگیں قائم کر دی ہیں۔ دوسرا بڑا کام یہ تھا کہ لیجسلیٹو اسمبلی کے ہر ایک ضمنی انتخاب میں ہم نے طاقتور مخالفوں کا مقابلہ کیا۔ میں مسلمانوں کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔ کہ انھوں نے تمام آزمائشوں میں کمال جرأت و ہمّت سے کام کیا۔ کسی ایک جگہ بھی مسلم لیگ کے مخالف انتخاب میں کامیاب نہیں ہُوئے۔ یو۔پی کونسل (بالائی ایوان) کے آخری انتخاب میں مسلم لیگ سو فیصدی کامیاب ہوئی۔ مسلم لیگ کی تنظیم کی ترقی کے

سلسلہ میں جو کوششیں کیگئی ہیں اُنکی تفصیلات سے آپ کی سمع خراشی کرنا نہیں چاہتا البتہ یہ بتانا ضروری سمجھتا ہُوں کہ یہ کام بہت تیز رفتار سے ترقی کر رہا ہے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ ہم نے پٹنہ میں خواتین کی ایک کمیٹی قائم کی تھی۔ یہ بات ہمارے لئے بہت اہم ہے کہ ہم مسلم خواتین کو زندگی اور موت کی کشمکش میں حصہ لینے کے لئے تیار کریں اور انہیں اس کا موقعہ دیں۔ خواتین گھروں کی چار دیواری میں پردہ کے اندر رہ کر بھی بہت کام کر چکی ہیں۔ خواتین کی کمیٹی اس لئے قائم کی گئی تھی کہ وہ لیگ کے کام میں حصہ لے سکیں اس مرکزی کمیٹی کے اغراض ومقاصد یہ تھے:۔

۱۔ صُوبائی اور ضلاعی مُسلم لیگیں قائم کرنا۔

۲۔ کثیر التعداد خواتین کو مسلم لیگ کا ممبر بنانا۔

۳۔ ہندوستان کے طول وعرض میں مُسلم خواتین کے اندر سرگرمی سے پروپیگنڈا کرنا تاکہ ان میں زیادہ سیاسی شعُور پیدا ہو جائے ——— اس لئے کہ اگر مُسلم خواتین میں سیاسی شعُور پیدا ہو جائے تو بچّوں کو زیادہ فکرمند ہونیکی ضرورت نہ رہیگی۔

۴۔ ایسے تمام امُور اور معاملات میں مسلم خواتین کی رہنمائی کرنا اور مشورہ دینا جو مُسلم سوسائٹی کی فلاح وبہبود کے متعلّق ان سے وابستہ ہیں۔

مَیں خوش ہوں کہ مرکزی کمیٹی نے پوُرے اخلاص اور سرگرمی سے کام شروع کردیا اور آج تک بہت مفید کام کیا جا چکا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جب اس کمیٹی کی رپورٹ سُنائی جائیگی تو ہم سب اُس کے شکرگزار ہونگے کہ مسلم لیگ کی ایسی شان دار خدمات انجام دیں۔

ہمیں جنوری ۱۹۳۹ئہ سے آغاز جنگ تک بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ناگپور

میں ڈوبا منڈر سکیم اور ہندوستان کے تمام صوبوں میں وار دھا سکیم کے مسئلہ پر ہماری توجہ مرکوز تھی۔ کانگرسی حکومتوں کے صوبوں میں ستایا اور دبایا جا رہا تھا۔ ریاست جے پور اور پہار نگر میں مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک ہو رہا تھا اُس نے ہماری توجہ اپنی طرف جذب کر رکھی تھی۔ راجکوٹ کی مختصر سی ریاست میں ایک اہم مسئلہ پیدا ہو گیا تھا اور ہمیں اس سے عہدہ برآ ہونا تھا۔ راجکوٹ کے معاملہ کو کانگرس نے ایک آزمائشی مسئلہ بنا لیا تھا۔ جو ایک ثلث ہندوستان پر اثر انداز ہوتا۔ اس طرح مسلم لیگ جنوری ۱۹۳۹ء سے جنگ کے آغاز تک بہت اہم مسائل سے دوچار ہوتی۔ جنگ کے آغاز سے پہلے ہندوستان کو سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ مرکزی حکومت میں فیڈرل سکیم نافذ کر دی جائے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس معاملہ میں کیا ریشہ دوانیاں ہو رہی تھیں۔ لیکن مسلمان ہر طرح سختی سے ان کی مخالفت کر رہے تھے۔ ہم سمجھتے تھے کہ مرکزی فیڈرل حکومت کی خطرناک سکیم جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں درج ہے ہرگز منظور نہیں کرنی چاہیئے۔ برطانی حکومت کو مرکزی فیڈرل حکومت کی سکیم سے دست برداری کی ترغیب میں ہم نے کچھ کم حصّہ نہیں لیا۔ اس امر کو برطانی حکومت کے ذہن نشین کرانے میں بھی مسلم لیگ کا حصّہ کچھ کم نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ انگریز ضدی ہیں اور قدامت پسند اور چالاک ہونے کے باوجود دیر فہم ہیں۔ جنگ چھڑ جانے کے بعد وائسرائے نے مسلم لیگ سے مدد کی درخواست کی۔ اور اسی وقت اُسے معلوم ہوا کہ مسلم لیگ ایک طاقت ہے۔ اس لئے کہ جنگ چھڑنے سے پہلے تک وائسرائے نے مجھے کبھی یاد نہیں فرمایا۔ بلکہ گاندھی اور صرف گاندھی کو یہ شرف حاصل ہوتا رہا۔ میں لیجسلیچر میں کافی عرصہ تک ایک اہم پارٹی کا لیڈر رہ چکا ہوں جو موجودہ پارٹی سے (جسکی قیادت کی عزت مجھے

حاصل ہے ابھی بڑی تھی - یعنی مرکزی اسمبلی کی مسلم لیگ پارٹی - لیکن اس کے باوجود وائسرائے نے اس سے پہلے مجھے کبھی یاد نہیں فرمایا - جس وقت جناب گاندھی کے ساتھ مجھے وائسرائے کا دعوت نامہ وصول ہوا تو میں حیران ہوگیا - یکایک یہ ترقی کیسے بخشی گئی ہے - پھر سوچا کہ یہ سب کچھ مسلم لیگ کی وجہ سے ہے - جس کا صدر حسن اتفاق سے میں ہوں - مجھے یقین ہے کہ اس سے کانگرس ہائی کمان کو سخت صدمہ پہونچا ہے اور کیوں نہ پہنچتا - میرا بلایا جانا ہندوستان کی واحد نمائندگی کے حق کے متعلق کانگرس کے دعوے کو ایک چیلنج تھا -

جناب گاندھی اور کانگرس ہائی کمان کی روش سے ظاہر ہے کہ ابھی وہ اس صدمہ کے اثرات سے سنبھلے نہیں - اس بیان سے آپ کو تنظیم کی ضرورت اور اہمیت جتانا مقصود ہے اس مسئلہ کے متعلق اور کوئی بات نہیں کہونگا -

مسلمانوں کو ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے - جو کچھ دیکھا اور سنا ہے اس کی بنا پر مجھے یقین ہے کہ مسلم ہندوستان ہوشیار اور بیدار ہوگیا ہے اور مسلم لیگ نے ایک ایسی طاقت وارادے کی حیثیت اختیار کرلی ہے کہ اس کو کوئی شخص فنا نہیں کرسکتا - آدمی آئیں گے اور جائیں گے لیکن لیگ ہمیشہ قائم رہے گی -

جنگ چھڑ جانے کے بعد ہماری حالت یہ تھی کہ ایک طرف کنواں تھا اور دوسری طرف کھائی تھی - میں یہ نہیں سمجھتا کہ جنگ کے ساتھ ہی یہ حالت بھی ختم ہوجائیگی - بہر حال ہم نہایت واضح طور پر ہندوستان کی آزادی کے طالب ہیں - لیکن یہ آزادی تمام ہندوستان کی آزادی ہونی چاہیئے - یہ نہ ہو کہ ایک جماعت یا بدتر صورت میں کانگرس کو آزادی مل جائے اور مسلمان و دیگر اقلیتیں غلام بنی رہیں -

ہم ہندوستان میں رہتے ہیں اور کانگرسی صوبوں میں کانگرس کی ½ ۲ سالہ حکومت کے دوران میں ہم نے بہت کچھ دیکھ لیا ہے۔ اب ہم بہت بدگمان ہو چکے ہیں اور کسی پر اعتماد نہیں کر سکتے میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہر شخص کے لئے بہتر اصول ہوگا کہ کسی پر بہت زیادہ اعتبار نہ کرے۔ بعض اوقات ہمیں اعتبار کرنا پڑتا ہے لیکن جب کوئی شخص غداری کرے تو اس غداری سے یہ سبق لینا چاہیئے کہ آئندہ غداری کرنیوالوں پر اعتبار نہ کیا جائے۔

خواتین اور حضرات۔ ہم کبھی بھی یہ خیال نہیں کر سکتے تھے کہ کانگرس ہائی کمان وہ کام کریگی جو اُس نے کانگرسی صوبوں میں کیئے۔ مَیں خواب میں بھی یہ گمان نہیں کر سکتا کہ وہ اس حد تک پستی میں اتر آئے گی۔ مَیں یقین نہیں کر سکتا تھا کہ کانگرس اور انگریزوں کے درمیان کوئی شریفانہ معاہدہ ہو سکتا ہے اور معاہدہ بھی ایسا مستحکم کہ ہم چیختے چلّاتے رہے لیکن نہ گورنروں نے یہ چیخ و پکار سُنی۔ نہ گورنر جنرل نے دخل دیا۔ ہم نے انہیں یاد دلایا کہ آپ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے حقوق اور مفاد کے تحفّظ کا حلف اُٹھا چکے ہیں۔ لیکن وہ تمام عہد و پیمان تقویم پارینہ بن چکے تھے۔ آخر قسمت ہماری امداد کیلئے آئی۔ وہ "شریفانہ معاہدہ" پارہ پارہ ہوگیا اور کانگرس نے عہدے چھوڑ دیئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کانگرسیوں کو عہدے چھوڑ دینے کا بہت قلق ہے۔ انکی فوں فاں ختم ہوگئی۔ اچھا ہوا۔ ان واقعات کے پیش نظر مَیں آپ سے پُوری سنجیدگی کے ساتھ اپیل کرتا ہُوں کہ اپنی تنظیم اس طور پر کیجیئے کہ کسی پر مدار کار رکھنے کی ضرورت نہ رہے۔ یہی آپ کا واحد اور بہترین تحفظ ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ ہم کسی کے خلاف جذبۂ بدخواہی یا عناد رکھیں۔ اپنے حقوق اور مفاد کے تحفّظ کیلئے وہ طاقت پیدا کر لیجیئے کہ آپ اپنی مدافعت کر سکیں۔ مَیں صرف اسی بات پر زور دینا چاہتا ہُوں۔

آئندہ آئین کے متعلق ہماری رائے یہ ہے کہ جونہی حالات اجازت دیں یا زیادہ سے زیادہ جنگ کے فوراً بعد ہندوستان کے آئین کے مسئلہ پر نظر ثانی کیجائے اور ایکٹ ۱۹۳۵ء کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا جائے۔ ہم اس بات کے قائل نہیں کہ برطانیہ سے اعلانات کرنے کا مطالبہ کیا جائے۔ ان اعلانات کا درحقیقت کوئی فائدہ نہیں۔ آپ اعلانات کا مطالبہ کر کے برطانی حکومت کو اس ملک سے نہیں نکال سکتے۔ بہرحال کانگرس نے وائسرائے سے اعلان کا مطالبہ کیا۔ وائسرائے نے جواب دیا کہ "مَیں اعلان کر چکا ہوں"۔ کانگرس نے کہا نہیں نہیں ہم دوسری قسم کا اعلان چاہتے ہیں۔ آپ کو اسی وقت اور ابھی یہ اعلان کر دینا چاہئیے کہ ہندوستان آزاد اور خود مختار ملک ہے اور حق رائے دہی بالغان یا اس سے بھی فروتر معیار رائے دہی پر ایک آئینی اسمبلی کے ذریعہ اپنا آئین مرتب کر سکتا ہے۔ یہ آئینی اسمبلی اقلیتوں کے جائز مفاد کو مطمئن کر دے گی۔ جناب گاندھی فرماتے ہیں کہ اگر اقلیتیں مطمئن نہ ہوں تو ایک اعلیٰ قسم کا اور غیر جانبدار ٹربیونل اس قضیہ کو فیصل کرنے کے لئے مقرر کر دیا جائے۔ اول تو یہ تجویز ہی ناقابل عمل ہے۔ دوسرے تاریخی اور آئینی طور پر حکمران طاقت سے یہ مطالبہ کرنا لغویت ہے کہ آئینی اسمبلی کے حق میں حکومت سے دست بردار ہو جائے۔ ان امور سے قطع نظر فرض کیجئے ہم حق رائے دہی کے اس معیار سے مطمئن نہیں جسکی بنا پر مرکزی اسمبلی کا انتخاب ہونا ہے۔ یا فرض کیجئے کہ مسلم نمائندوں کی جماعت آئینی اسمبلی میں اکثریت سے متفق نہیں ہوتی تو اس صورت میں کیا ہوگا۔ ہم سے کہا جاتا ہے کہ آپ اس اسمبلی میں ان امور کے سوا جو اقلیتوں کے تحفظ کے لئے ضروری ہوں ہندوستان کے قومی آئین کی ترتیب کے متعلق کسی مسئلہ سے اختلاف رائے کا حق نہیں رکھتے۔ اس طرح ہمیں صرف یہ رعایت دی جا

رہی ہے کہ صرف اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے متعلق اختلاف رائے کا اظہار کر سکیں۔
ہمارے ساتھ یہ رعایت بھی روا رکھی جا رہی ہے کہ اپنے نمائندہ جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب سے بھیج سکیں۔ مذکورہ بالا تجویز کی بنیاد اس مفروضہ پر ہے کہ جونہی یہ آئین مرتب ہوگا برطانی حکومت ہندوستان میں ختم ہو جائیگی۔ بصورت دیگر یہ تجویز بے معنی ٹھہرتی ہے۔
جناب گاندھی فرماتے ہیں کہ آئین ہی اس امر کا فیصلہ کرے گا کہ آیا برطانی حکومت ہندوستان میں کلیتًا یا کسی خاص حد تک ختم ہو جائے۔ پہلے اعلان کر دیجئے کہ آپ آزاد اور خود مختار ہیں اس کے بعد میں سوچونگا کہ آپ کو کیا چیز واپس دے دوں۔
کیا جناب گاندھی کو ایسی باتیں کرتے وقت درحقیقت کامل آزادی چاہتے ہیں۔ برطانی حکومت ختم ہو یا نہ ہو ہندوستانیوں کو بہر صورت وسیع اختیارات منتقل کئے جائینگے آئینی اسمبلی کی اکثریت اور مسلمانوں میں اختلاف رائے ہؤا تو ٹربیونل کون مقرر کریگا۔
فرض کیجئے ٹربیونل کا قیام ممکن ہے اور وہ فیصلہ بھی سنا دیتا ہے لیکن اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ اس فیصلہ کو نافذ یا اسکی شرائط پر عمل کیا جائے گا۔ اور اس امر پر کون نگاہ رکھے گا کہ ٹربیونل کے فیصلہ کا احترام کیا جائیگا۔ اس لئے کہ ہم سے کہا جاتا ہے کہ برطانیہ کے اختیارات کلیتًا ختم ہو جائیں گے اس صورت میں کونسی طاقت ٹربیونل کے فیصلہ کو نافذ کرائیگی؟ ان سب سوالات کا ایک ہی جواب ہے "ہندو اکثریت" اب دیکھنا یہ ہے کہ فیصلہ کا نفاذ برطانی سنگینوں کی مدد سے ہوگا یا جناب گاندھی کی "اہنسا" کے زور سے۔ کیا ہم ان پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ سماجی ربط کے متعلق اس نوعیت کے سوال کا فیصلہ جس پر ہندوستان کے آئندہ آئین کی بنیاد رکھی جائے اور جو ۹ کروڑ مسلمانوں پر اثر انداز ہوتا ہو کوئی جوڈیشیل ٹربیونل کر سکتا ہے۔؟ تاہم

کانگرس کی تجویز یہی ہے۔ ۱

حال ہی میں جناب گاندھی نے جو کچھ فرمایا تھا اس پر اظہار خیال کرنے سے پہلے میں دُوسرے کانگرسی رہنماؤں کے اعلانات پر روشنی ڈالنا چاہتا ہُوں جو مختلف خیالات ظاہر کرتے ہیں۔ راجگوپال اچاریہ (سابق وزیر مدراس) کہتے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلاف وافتراق کے درد کی واحد دوا مخلوط انتخاب ہے۔ کانگرس کے ایک بڑے ڈاکٹر کی حیثیت سے یہ انکی تجویز ہے (قہقہہ) اس کے برعکس بابو راجندر پرشاد نے چند روز پیشتر کہا تھا کہ "مسلمان اب اور کیا چاہتے ہیں"؟۔ بابو صاحب نے اقلیتوں کے سوال پر رائے زنی کرتے ہوئے پیشگوئی کی کہ "اگر برطانیہ ہمیں حقِ خود اختیاری دیدے تو یہ اختلافات ختم ہو جائیں گے"۔ مَیں پوچھتا ہوں کس طرح ختم ہو جائیں گے؟ بابو صاحب نے اس پر روشنی نہیں ڈالی۔ لیکن جبتک ہندوستان میں برطانیہ اور اس کا اقتدار موجُود ہے اختلافات رہینگے۔ کانگرس نے واضح کر دیا ہے۔ کہ آئندہ آئین صرف کانگرس ہی نہیں بلکہ تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے نمائندے مرتب کریں گے۔ اگرچہ کانگرس جداگانہ انتخاب کو بُرا سمجھتی ہے تاہم اُس نے یہ اعلان بھی کر دیا ہے کہ اقلیتیں اپنے نمائندے جداگانہ انتخاب سے بھیج سکتی ہیں۔ آئینی اسمبلی بلالحاظ سیاسی وابستگی و مذہب اس ملک کے تمام باشندوں کی نمائندہ ہو گی اور آئین کا فیصلہ کرنے میں صرف ایک یا دو پارٹیوں کا ہاتھ نہ ہوگا۔ اس سے بہتر ضمانت اقلیتوں کو اور کیا مل سکتی ہے؟ بابو راجندر پرشاد کا خیال ہے کہ ہم اسمبلی میں داخل ہوتے ہی اپنے سیاسی مذہبی اور دیگر تمام رجحانات اور امور کو فراموش کر دینگے۔ بابو راجندر پرشاد نے یہ خیالات ۱۸ مارچ ۱۹۴۰ء کو ظاہر کئے تھے۔ اب جناب

گاندھی کی رائے سنیئے جو انہوں نے ۲۰ مارچ ۱۹۴۰ء کو ظاہر کی۔

"میرے لئے ہندو، مسلمان۔ پارسی اور ہریجن سب برابر ہیں۔ میں بے تکی باتیں نہیں کرتا۔ (لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ جناب گاندھی بے اصل باتیں کرتے ہیں) قائداعظم کا ذکر کرتے وقت میں سطحی باتیں نہیں کرتا۔ وہ میرے بھائی ہیں"

فرق صرف یہ ہے کہ بھائی گاندھی کے تین ووٹ ہیں اور میرا صرف ایک ووٹ (قہقہہ) جناب گاندھی نے مزید فرمایا۔ کہ" اگر قائداعظم مجھے اپنی جیب میں رکھ لیں تو مجھے بہت خوشی ہوگی" میں نہیں سمجھ سکتا کہ جناب گاندھی کی اس تازہ پیشکش کے متعلق کیا کہوں، جناب گاندھی نے آگے چل کر فرمایا۔" ایک ایسا وقت بھی تھا کہ مجھے تمام مسلمانوں کا اعتماد حاصل تھا۔ لیکن یہ میری بدقسمتی ہے کہ آج ایسا نہیں ہے"۔ جناب گاندھی نے مسلمانوں کا اعتماد کیوں کھو دیا؟

"اردو اخباروں میں جو کچھ شائع ہوتا ہے وہ سب میری نظر سے نہیں گزرتا۔ غالباً مجھے ہدف طعن وتشنیع بنایا جاتا ہے۔ میں اس سے رنجیدہ نہیں۔ آج بھی میری رائے یہی ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے سمجھوتہ کے بغیر سوراج نہیں مل سکتا"

جناب گاندھی یہی بات بیس سال سے کہہ رہے ہیں۔

جناب گاندھی نے مزید کہا:۔

"آپ پوچھیں گے کہ اس صورت میں کشمکش کا ذکر کیوں کیا جاتا ہے؟ یہ ذکر میں اس لئے کرتا ہوں کہ آئینی اسمبلی کے لئے ایک کشمکش ہونے والی ہے"

جناب گاندھی برطانیہ سے الجھے ہوئے ہیں لیکن میں ان سے اور کانگرس سے دریافت کرتا ہوں کہ آپ اس آئینی اسمبلی کے واسطے برطانیہ سے الجھ رہے ہیں

جس کو مسلمان قبول کرنے کیلئے تیار نہیں۔

اس اسمبلی میں مسلمانوں کو تین کے مقابل ایک ووٹ حاصل ہوگا۔ اور اس طرح سر گننے سے کبھی کوئی مخلصانہ مفاہمت نہ ہو سکے گی جس سے مسلمان دوستانہ حیثیت میں تعاون کر سکیں۔ ان وجوہ سے آئینی اسمبلی کی تجویز قابل اعتراض ہے۔ لیکن جناب گاندھی مسلمانوں کے ساتھ نہیں بلکہ آئینی اسمبلی کے واسطے برطانیہ سے الجھ رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

"میں یہ اس واسطے کر رہا ہوں کہ آئینی اسمبلی کے واسطے ایک کشمکش ہونے والی ہے" ان الفاظ پر غور کیجیے۔ "جو مسلم ووٹوں کے ذریعہ آئینی اسمبلی میں آئیں گے"

جناب گاندھی پہلے ہمیں اسمبلی میں شامل ہونے کیلئے مجبور کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں۔

"یہ اعلان کر دو کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی چیز مشترک نہیں۔ اس کے بعد میں امید کو خیرباد کہہ دونگا۔ لیکن اس وقت بھی میں ان کے ساتھ اتفاق کرونگا۔ اسلیئے کہ وہ قرآن پڑھتے ہیں اور میں نے بھی اس کتاب مقدس کے کچھ حصہ کا مطالعہ کیا ہے"۔ (قہقہہ)

جناب گاندھی مسلمانوں کے ووٹ لینے کے واسطے آئینی اسمبلی چاہتے ہیں اگر مسلمان اس سے متفق نہ ہوں تو وہ امید کو خیرباد کہہ دینگے۔ لیکن اس وقت بھی وہ ہم سے اتفاق کرینگے (قہقہہ) میں پوچھتا ہوں کہ کیا مسلمانوں کے ساتھ سمجھوتہ کی حقیقی خواہش کے اظہار کا یہ طریقہ ہے؟ (آوازیں نہیں نہیں)

میں کئی بار کہہ چکا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ جناب گاندھی دیانتداری سے تسلیم کر

لیں کہ کانگریس ہندو جماعت ہے اور وہ صرف ہندوؤں کے نمائندہ ہیں۔ جناب گاندھی کیوں یہ بات فخریہ نہیں کہتے کہ۔

" میں ہندو ہوں اور کانگریس کو ہندوؤں کی حمایت حاصل ہے "

مجھے تو یہ کہتے ہیں کہ میں مسلمان ہوں شرم محسوس نہیں ہوتی۔ (سنیئے۔ سنیئے!) مجھے اُمید ہے کہ اب ایک اندھا آدمی بھی یقین کے ساتھ ہی کہیگا کہ مسلم لیگ کو مسلمانانِ ہند کی پوری تائید حاصل ہے (سنیئے! سنیئے) پھر حقیقت حال پر پردہ ڈالنے کی کوشش کیوں کی جا رہی ہے؟ یہ جوڑ توڑ کیوں ہو رہے ہیں؟ مسلمانوں کو دبانے کیلئے برطانیہ پر کیوں زور ڈالا جا رہا ہے؟ عدم تعاون کا یہ اعلان کیوں ہو رہا ہے؟ سول نافرمانی کی دھمکی کیوں دی جا رہی ہے؟ اور آئینی اسمبلی کے واسطے جدّوجہد کیوں کی جا رہی ہے؟ اس امر سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ مسلمان آئینی اسمبلی کی تجویز سے متفق نہیں۔ (سنو سنو) ہندو لیڈر اور ہندوؤں کے نمائندہ کی حیثیت میں آؤ اور مجھ سے باتیں کرو کہ میں مسلمانوں کے خیالات کی ترجمانی کروں (سنیئے! سنیئے) میں کانگریس کے متعلق بس اسی قدر کہنا چاہتا ہوں۔

جہاں تک برطانی حکومت کا تعلق ہے ہماری گفت وشنید ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ ہم نے چند امور کے متعلق یقین دلائے جانے کیلئے کہا تھا ان میں سے ایک امر کے متعلق کچھ طے ہوا ہے۔ آپکو یاد ہوگا کہ ہمارا مطالبہ یہ تھا کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء سے جداگانہ ہندوستان کے آئندہ آئین کے مسئلہ پر از سر نو غور کیا جائے۔ وائسرائے نے حکومت برطانیہ کی منظوری سے ۲۳ دسمبر کو اس کا جو جواب دیا اُسے میں اُنہی کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں۔

" آپ کے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ ۱۸ اکتوبر گذشتہ کو میں نے حکومت برطانیہ

کی منظوری سے جو جواب دیا تھا اُس سے ایکٹ ۱۹۳۵ء کا کوئی حصہ یا وہ پالیسی اور
تجاویز مستثنیٰ نہیں جس پر وہ مبنی ہے "۔

الفاظ "مستثنیٰ نہیں" پر غور کیجئے۔ (آوازیں سنو سنو)

جہاں تک دُوسرے مسائل کا تعلق ہے گفت وشنید جاری ہے۔ اہم مسائل یہ ہیں۔

ا۔ حکومت برطانیہ مسلمانوں کی منظوری اور تائید کے بغیر ہندوستان کے آئندہ آئین کے متعلق کوئی اعلان نہ کرے (سنیئے سنیئے) اور مسلمانوں کی شرکت اور تائید کے بغیر کسی پارٹی سے کوئی سمجھوتہ نہ کیا جائے (سنیئے سنیئے) حکومت برطانیہ ——— خواہ اس امر کا یقین دلائے یا نہ دلائے لیکن وہ یہ تو ضرور سمجھتی ہے کہ یہ مطالبہ معقول اور منصفانہ ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ۹ کروڑ مسلمانوں کے مستقبل کو کسی دوسرے منصف کے ہاتھوں میں نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ہم اپنے معاملہ میں خود ہی ثالث بننا چاہتے ہیں۔ یقیناً یہ مطالبہ مبنی بہ انصاف ہے ہم یہ نہیں چاہتے کہ برطانیہ کوئی ایسا آئین مسلمانوں کے سر مڑھ دے جسکو وہ منظور نہ کرتے ہوں۔ ان حالات میں حکومت برطانیہ کیلئے یہی بہتر ہے کہ مسلمانوں کو اس امر کا یقین دلا دے اور انہیں پُورے طور سے مطمئن کر کے اپنا دوست بنالے۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہُوں برطانیہ ایسا کرے یا نہ کرے مسلمانوں کو اپنی ہی طاقت پر اعتماد کرنا پڑے گا۔ اور مَیں اس پلیٹ فارم سے واضح کئے دیتا ہُوں کہ اگر کوئی اعلان یا سمجھوتہ درمیانی عرصہ کیلئے ہماری مرضی اور رائے کے بغیر کیا گیا تو مسلمانانِ ہند اسکی مزاحمت کرینگے (سنیئے سنیئے) اس معاملہ میں کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے۔

دوسرا مسئلہ فلسطین کا ہے۔ ہم سے کہا گیا ہے کہ اعراب فلسطین کے معقول قومی مطالبات کو منظور کر لینے کے لئے سرگرمی سے کوشش کی جارہی ہے۔ ہم ان سرگرم مخلصانہ اور

بہترین کوششوں سے مطمئن نہیں (قہقہہ) ہم چاہتے ہیں کہ برطانیہ عملاً اعراب فلسطین کے مطالبات کو منظور کرے (سُنیئے! سنیئے!)

دوسرا مسئلہ افواج کو باہر بھیجنے کا تھا۔ اس کے متعلق کچھ غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ بہر حال ہم نے اپنی رائے واضح کر دی تھی کہ ہمارا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ ہندوستانی افواج سے ملک کے دفاع کے لئے پورے طور پر کام نہ لیا جائے اگر اس باب میں کوئی شک یا بدگمانی ہے تو زبان کے لحاظ سے وہ کسی طرح جائز نہیں۔ ہم برطانی حکومت سے اس امر کا یقین حاصل کرنا چاہتے تھے کہ ہندوستانی افواج کو کسی مسلمان مُلک یا طاقت کے خلاف جنگ کرنے کے لئے نہیں بھیجا جائیگا۔ (سنو سنو) امید ہے کہ برطانی حکومت اس معاملہ میں صُورت حال کو اور واضح کر دیگی۔

مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے اپنے گزشتہ اجلاس میں وائسرائے سے درخواست کی تھی کہ آپ اپنے مکتوب مورخہ ۲۳ر دسمبر پر دوبارہ غور فرمائیں۔

(وائسرائے کا یہ مکتوب ورکنگ کمیٹی کی ان تصریحات کے جواب میں تھا جو اُس نے اپنے اجلاس منعقدہ ۳ رفروری کی قرارداد کی تعمیل میں کی تھیں) معلوم ہوا ہے کہ وائسرائے اس درخواست پر پوری توجّہ سے غور کر رہے ہیں۔ خواتین اور معزز حضرات جنگ کے بعد ۳ر فروری تک صورتِ حالات یہ تھیں۔

جہاں اپنی داخلی حالت کا تعلق ہے۔ ہم اس پر غور کر رہے ہیں۔ متعدد باخبر اداروں اور دیگر اشخاص نے جو ہندوستان کے آئندہ آئین کے مسئلہ سے دلچسپی رکھتے ہیں چند سکیمیں بھیجی ہیں اور ہم نے ان سکیموں کی تفصیلات پر غور کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی مقرر کر دی ہے لیکن یہ حقیقت واضح ہے۔ اس معاملہ میں ہمیشہ غلطی کی جاتی ہے کہ

مُسلمان اقلیت ہیں۔ اقلیت کا لفظ اتنی مُدت تک استعمال کیا گیا ہے کہ اسکے اثرات کا زائل کرنا بعض اوقات مشکل ہو جاتا ہے۔

مسلمان اقلیت نہیں ہیں۔ ہر ایک اعتبار سے مُسلمان ایک قوم ہیں۔ برطانیہ اور کانگرس کیطرف سے اس طرح خطاب کیا جاتا رہا ہے:

بہرحال آپ اقلیت ہیں۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟ جیسا کہ بابو راجندر پرشاد نے فرمایا "اقلیتیں اور کیا چاہتی ہیں؟" لیکن یقیناً مسلمان اقلیت نہیں ہیں۔ ہندوستان کے برطانی نقشہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو گا کہ اس ملک کے وسیع علاقے مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ مثلاً بنگال۔ پنجاب۔ صوبہ سرحد۔ سندھ اور بلوچستان۔

اب سوال یہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اس اختلاف کا حل کیا ہے؟ ہم غور کر رہے ہیں اور جیسا کہ مَیں نے کہا اس مسئلہ کے متعلق مختلف تجویزوں پر غور کرنے کیلئے ایک کمیٹی مقرر کر دی گئی ہے۔

آئین کی آخری سکیم خواہ کچھ ہو۔ مَیں اپنا نظریہ بیان کرتا ہُوں اور ایک خط سُناتا ہُوں جو لالہ لاجپت رائے نے سی آر داس کے نام بھیجا تھا۔ یہ خط آج سے چودہ یا پندرہ سال پیشتر لکھا گیا تھا۔ اور اسے حال ہی میں ایک شخص مسمی اندر پرکاش نے شائع کیا ہے۔ لالہ لاجپت رائے کٹر ہندو مہا سبھائی اور محتاط سیاستدان تھے۔ اُنکا مکتوب سنانے سے پہلے مَیں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہُوں کہ "اگر آپ ہندو ہیں تو ہندو پن سے بچ نہیں سکتے۔ (قہقہہ) اب لفظ "قوم پرست" سیاسیات کی دُنیا میں لوگوں کا تکیہ کلام بن گیا ہے۔

لالہ لاجپت رائے فرماتے ہیں۔

"مجھے ایک مسئلہ نے چندروز سے الجھن میں ڈال رکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس پر غور کریں۔ یہ مسئلہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتحاد کا ہے۔ میں گزشتہ ۶ ماہ سے اس مسئلہ پر غور کر رہا ہوں۔ اسلامی تاریخ اور اسلامی قانون کا مطالعہ کیا ہے اور اب یہ خیال کرتا ہوں کہ اتحاد ناممکن ہے اور نہ قابل عمل۔ اس امر کا اعتراف کرتے ہوئے کہ مسلم رہنماؤں نے عدم تعاون کی تحریک میں نہایت اخلاص سے حصّہ لیا۔ میری رائے ہے کہ مسلمانوں کا مذہب ایسے معاملات (اتحاد) میں ایک مؤثر رکاوٹ ہے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے کلکتہ میں آپکو وہ باتیں سنائی تھیں جو حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر کچلو سے ہوئیں۔ ہندوستان میں حکیم اجمل خاں سے بہتر مسلمان نہیں۔ لیکن کیا کوئی مسلمان قرآن کی خلاف ورزی کر سکتا ہے۔ میں یہی خیال کر سکتا ہوں کہ شائد میں نے اسلامی قانون کو صحیح طور سے نہیں سمجھا اور مجھے صرف اسی تصوّر سے تسلی ہو سکتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگرچہ ہم انگریزوں کے خلاف متحد ہو سکتے ہیں لیکن برطانیہ کے طریقوں پر ہندوستان میں حکومت کرنے کیلئے متفق نہیں ہو سکتے۔ ہم جمہوری اصول پر ہندوستان میں حکومت قائم نہیں کر سکتے۔"

خواتین اور معززین۔ جب لالہ لاجپت رائے نے یہ خیالات ظاہر کیے کہ ہم جمہوری اصول پر ہندوستان میں حکومت قائم نہیں کر سکتے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا۔ لیکن جب میں نے آج سے ۱۸ ماہ پیشتر حقیقت کے اظہار کی جرأت کی تو اعتراضوں کی بھرمار اور نکتہ چینیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ لالہ لاجپت رائے نے آج سے پندرہ سال پیشتر کہا تھا کہ ہم جمہوری اصول پر ہندوستان میں حکومت قائم نہیں کر سکتے اب چارۂ کار کیا ہے؟

کانگرس کے نزدیک اس کا علاج یہ ہے کہ اقلیّت کو اکثریّت کی حکومت کے تحت رکھا جائے - لالہ لاجپت رائے اپنے مکتوب میں مزید فرماتے ہیں -

" پھر اس کا علاج کیا ہے ؟ مَیں سات کروڑ مسلمانوں سے خوف زدہ نہیں لیکن میں ، کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کو افغانستان کے مسلح قبائل کے ساتھ ملا کر دیکھتا ہُوں - وسطی ایشیا - عرب - عراق اور ترکی کے مقابلہ میں مزاحمت نہیں کی جا سکے گی - (قہقہہ)

" ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین اتحاد کی نسبت میرا دیانتداری اور صدق دلی سے یقین ہے کہ یہ شے نہ صرف پسندیدہ اور مرغوب ہے بلکہ ہمیں اسکی حاجت بھی سخت ہے - مَیں مسلمان رہنماؤں پر اعتبار کرنے کو تیار ہُوں - مگر قرآن شریف اور حدیث کے احکام کے متعلق کیا کیا جائے ؟ خود اسلامی رہنما انکو پس پشت نہیں ڈال سکتے - نہ ان کے خلاف چل سکتے ہیں - کیا ہماری قسمت میں تباہی لکھی ہے ؟ مُجھے امّید ہے کہ اس مشکل کو حل کرنے کے لِئے آپ جو صاحبِ فہم و ذکا ہیں ، دانا ہیں کوئی نہ کوئی راہ پیدا کر لیں گے "

خواتین اور حضرات ! پندرہ سال ہُوئے یہ الفاظ ایک بہت بڑے ہندو رہنما نے اپنے ہی جیسے ایک ہندو بزرگ کو خط میں لکھے تھے - اَب مَیں ان پر نظر بحالاتِ موجُودہ اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہُوں -

حکومت برطانیہ - پارلیمان برطانیہ بلکہ قوم برطانیہ کی تعلیم و تربیت ہندوستان کے مستقبل اور آئین کے ضمن میں برطانیہ کے اپنے آئینی اصُولوں کی بُنیاد پر ہوئی ہے - بیسیوں سال سے اہلِ برطانیہ کو بتایا جا رہا ہے کہ ہندوستان کے لئے بھی وُہی طرز

حکومت موزوں ہے جو ہمارے ہاں ایوانہائے پارلیمان اور "طریق کابینہ" کے وسائل سے عمل پذیر ہے۔ چنانچہ باشندگانِ برطانیہ اُس حکومت کو دُنیا کے ہر ایک مُلک کے لئے بہترین قرار دیتے ہیں۔ جو پارٹی گورنمنٹ کہلاتی ہے اور محض سیاسی نکتہ نگاہ سے حکومت کا کام کرتی ہے۔ ایسی حکومت کا ایک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ برسرِ حکومت فریق یا پارٹی کے منشاء کے مطابق یک طرفہ اور پُر زور پراپگنڈا کیا جاتا ہے۔ تاکہ فریقِ مقتدر کی حکمت عملی ہر پہلو سے برُوئے کار آئے۔ یہ ہیں وہ سیاسی اصُول جن کے سبب برطانیہ نے ایک سخت غلطی کی اور ہندوستان کیلئے وہ آئین وضع کیا جسکی آئینہ داری قانونِ حکومت ہند ۱۹۳۵ء کرتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ برطانیہ کے بڑے سے بڑے مدبّر جوان اصُولوں میں ڈوبے ہُوئے ہیں۔ بارہا اپنے اس یقین کا اعلان کر چکے ہیں کہ جُوں جوں وقت گزرتا جائے گا۔ ہندوستان کے اُن عناصر میں ہم آہنگی پیدا ہوتی جائیگی جو اس وقت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء کے متعلق ٹائمز جیسے چوٹی کے برطانوی اخبار نے یُوں اظہارِ رائے کیا ہے۔

> "اس میں شبہ نہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین اختلاف محض مذہب تک محدود نہیں۔ بلکہ اس میں قانُون اور تہذیب و تمدّن یہاں تک شامل ہیں کہ ہندو اور مُسلمان اپنی اپنی علیحدہ اور امتیازی تہذیب کے پیروکار ہیں۔ پھر بھی ہمیں اُمید ہے کہ وقت گزُرنے کے ساتھ یہ اوہام مُردہ ہو جائیں گے اور ہندوستان صرف ایک قومِ واحد کے سانچے میں ڈھل جائے گا۔"

خواتین و حضرات! اس کے یہ معنی ہوئے کہ لنڈن ٹائمز کی رائے میں ہماری مشکلات محض اوہام ہیں اور ہمارے وہ بنیادی اور شدید اختلافات جو رُوحانی اور اخلاقی بھی ہیں اور ہماری زندگی کے اقتصادی، تمدنی، معاشرتی اور سیاسی وغیرہ سب شعبوں اور حلقوں پر بھی حاوی ہیں۔ صرف وہم کا درجہ رکھتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے "قومی تصور" اور ہندو دھرم کے "سماجی ڈھنگ اور وضع" کے باہمی اختلاف کو محض وہم وگمان بتانا۔ ہندوستان کی تاریخ کو جھٹلانا ہے۔

ایک ہزار سال سے ہندوؤں کی تہذیب اور مسلمانوں کی تہذیب ایک دوسری سے دوچار ہیں۔ اور دونو قومیں آپس میں میل جول رکھتی چلی آئی ہیں۔ مگر ان کے اختلافات اُسی پرانی شدت سے موجود ہیں۔ ان کی نسبت یہ توقع رکھنا کہ ان میں محض اس وجہ سے انقلاب آجائیگا اور ہندو اور مسلمان ایک واحد قوم بن جائینگے کہ ان پر ایک جمہوری آئین کا دباؤ ڈالا گیا۔ سراسر غلطی ہے۔

یہ بات ہرگز ممکن نہیں کہ ان دو اقوام کو جبراً ایک دوسری سے پیوست کیا جائے اور اس مطلب کے حصول کے لئے برطانی پارلیمان کے قوانین اور برطانوی طریق حکومت کی مصنوعی اور غیر فطرتی امداد سے کام نکالنے کی کوشش کی جائے۔

جب ہندوستان میں ڈیڑھ سو سال سے قائم شدہ برطانوی وحدانی حکومت اس کام میں کامیاب نہ ہوسکی تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہندوستان کی مرکزی حکومت میں اجتماعی یا فیڈرل نظام کے جبری قیام سے وہ کامیابی عرصۂ شہود میں آجائیگی۔

اس امر کا تصوّر بھی ذہن میں نہیں آ سکتا کہ اس قسم کی حکومت کے فتوی اور فرمان کی متابعت دلی وفاداری سے کی جائیگی اور یہاں رہنے والی مختلف قومیں کسی فوجی تشدد

کے بغیر ایک مرکزی حکومت کے احکام کی پابندی کرینگی۔

ہندوستان کا سیاسی مسئلہ فرقوں فرقوں سے متعلق نہیں۔ بلکہ قوموں قوموں سے متعلق ہے۔ بلا شبہ اسے ایک بین الاقوامی مسئلہ قرار دینا چاہیئے اور اسی نکتہ نگاہ سے اس کا حل تلاش کرنا لازم ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم اس بنیادی امر واقعہ کی صحت تسلیم کریں۔ جبتک ہم اسے درست نہ مانیں گے ہمارا ہر ایک وضع کردہ آئین ناکام رہیگا اور تباہی لائیگا۔ پھر نہ صرف مسلمانوں کے حق میں بلکہ ہندوؤں اور برطانویوں کے لئے بھی نقصان رساں ثابت ہوگا۔

اگر حکومت برطانیہ سچی ہے اور دلی ذوق اور سرگرمی کے ساتھ خواہشمند ہے کہ اس برِاعظم تحتی کے باشندے امن و امان کے ساتھ ایک خوشحال زندگی بسر کریں تو اُن کے لئے سیدھی راہ یہی ہے کہ وہ ہندوستان کی بڑی بڑی اقوام کیلئے سرزمین ہند کے علیحدہ علیحدہ منطقے مقرر کردیں جو اُن کے وطن ہوں۔ اور پھر اس مطلب کے حصول کیلئے ملک کو چند خود مختار قومی ریاستوں میں منقسم کردیں۔

اس خدشہ کیلئے کوئی وجہ موجود نہیں کہ یہ ریاستیں آپس میں بغض و عناد یا دشمنی رکھینگی۔ بلکہ وہ رقابت اور قدرتی خواہش بھی دُور ہو جائیگی جس کے سبب آج ہر قوم دُوسری قوم پر غالب آنیکی کوشش کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ ہمارا معاشرتی نظام اور ہماری سیاسی فوقیت کو ملک کی حکومت میں سب سے بڑا مرتبہ حاصل ہو اور ہماری قوم دوسری پر اپنا سیاسی اقتدار قائم کرلے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندوستان کے اندر قوموں قوموں کے مابین خیر خواہی کا عمل دخل ہوگا۔ اور اس کیلئے بین الاقوامی معاہدات مرتب کئے جائیں گے۔ اور

سب باشندے اپنے ہمسایوں کے ساتھ کمال ہم آہنگی سے زندگی گزاریں گے۔

اس تقسیم سے یہ امر نسبتاً زیادہ آسان ہو جائیگا کہ دوستانہ سمجھوتوں کے وسیلے سے اقلیتوں کیلئے تحفظِ حقوق کا سامان بہم پہنچایا جائے۔ اور ہندوؤں کے ہندوستان اور مسلمانوں کے ہندوستان کے مابین ایسے ملکی انتظامات کر دئیے جائیں۔ جن کے طفیل مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے اغراض و مفاد کی حفاظت موجودہ حالت سے کہیں بہتر طریق سے ہو جائے اور یہ حفاظت ہو بھی کافی و وافی۔

اس امر کا سمجھنا نہایت مشکل ثابت ہو رہا ہے کہ ہمارے ہندو دوست کیوں اسلام اور ہندو دھرم کی حقیقی نوعیت کا درست اندازہ کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔

اسلام اور ہندو دھرم محض اور فقط مذاہب نہیں ہیں بلکہ درحقیقت وُہ دو مختلف اور متمیّز معاشرتی نظام ہیں۔ چنانچہ اس خواہش کو خواب و خیال ہی کہنا چاہیئے کہ ہندو اور مسلمان مل کر ایک مشترکہ قومیّت تخلیق کر سکیں گے۔

ہندوستان میں مشترکہ قومیّت کا تصوّر حد سے بہت دُور نکل گیا ہے اور ہماری اکثر و بیشتر مشکلات کا باعث بن رہا ہے اور بن چکا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ہم جلد ہی اس خیال کی اصلاح نہ کرینگے تو تباہ ہو جائینگے۔ ہندو اور مسلمان دو مختلف مذہبی معتقدات دو مختلف ادبیات اور دو مختلف التنوع معاشرتی اطوار کے ماتحت ہیں۔

یہ لوگ آپس میں شادی بیاہ نہیں کرتے۔ نہ ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں اور یہ بھی اصرار کے ساتھ کہیئے کہ وہ دو مختلف تہذیبوں سے واسطہ رکھتے ہیں اور ان تہذیبوں کی بُنیاد ایسے تصوّرات اور حقائق پر رکھی گئی ہے جو ایک دُوسرے کی ضِد ہیں بلکہ اکثر متصادم ہوتے رہتے ہیں۔

حیاتِ انسانی کے متعلق ہندوؤں اور مسلمانوں کے خیالات اور تصورات ایک دُوسرے سے مختلف ہیں - یہ بھی ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہندو اور مسلمان اپنی اپنی تمنائے ترقیات کیلئے مختلف تاریخوں سے شغف رکھتے ہیں - اُن کے اس ذوق وشوق کے تاریخی وسائل اور ماخذ مختلف ہیں - دونو قوموں کی رزمیہ نظمیں - اُنکے سربرآوردہ بزرگ اور قابل فخر تاریخی کارنامے سب مختلف اور الگ الگ ہیں - اکثر اوقات ایک قوم کا زعیم اور رہنما دوسری قوم کے بزرگ اور برتر ہستیوں کا دشمن ثابت ہوتا ہے - ایک قوم کی فتح دُوسری قوم کی شکست ہوتی ہے - ایسی دو قوموں کو ایک ریاست اور حکومت کی ایک مشترکہ گاڑی کے دو بیل بنانے اور انکو باہمی تعاون کے ساتھ قدم بڑھانے پر آمادہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دونو کے دلوں میں بے صبری روز بروز بڑھتی رہے گی جو انجام کار تباہی لائے گی - خاص کر اس صُورت میں کہ ان میں سے ایک قوم تعداد کے لحاظ سے اقلیت میں ہو اور دوسری کو اکثریت حاصل ہو - ایسی ریاست کے آئین کا کل خاکہ ہیں مل کر رہے گا -

تاریخ اس قسم کے بہت کوائف پیش کرتی ہے - مثلاً آئرلینڈ اور برطانیہ کی متحدہ ریاست - زیگوسلوویکیا اور پولینڈ -

تاریخ ایسے جغرافیائی منطقے بھی پیش کرتی ہے جو مجموعی طور پر ہندوستان سے بہت ہی کم وسیع ہونے کے باوجود اتنی ہی قوموں کے وطن ہیں جتنی قومیں اُس میں بستی ہیں - یہ مُلک تقسیم کر دیئے گئے ہیں اور ان کے ہر حصّے کا نام الگ ہے - اگر قوم ایک ہوتی تو ملک بھی ایک ہی نام سے پُکارا جاتا -

جزیرہ نمائے بلقان میں الگ الگ نام کی سات آٹھ خود مختار ریاستیں ہیں -

اسی طرح ہم یورپ کے جزیرہ نما آئی بیریا کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ یہ سرزمین دو مختلف ممالک یعنی پرتگال اور سپین میں منقسم ہے۔

اس کے مقابلے میں ہندوستان کو ایک مرکزی حکومت کے ماتحت رکھنے کیلئے ایک متحدہ قوم اور فقط ایک جغرافیائی ہستی کا بہانہ ڈھونڈا جاتا ہے۔ حالانکہ گزشتہ بارہ سو برس کی تاریخ اس امر واقعہ کی گواہ ہے کہ اس طویل مدت کے دوران میں ہندوستان کو واحد حیثیت کبھی حاصل نہیں ہوئی اور یہ ملک ہمیشہ اسلامی ہند اور ہندو ہند میں منقسم رہا ہے۔ موجودہ مصنوعی وحدانیت کی تخلیق اُس وقت ہوئی جبکہ برطانیہ نے ہندوستان کو فتح کیا۔ پھر اس وحدانیت کے قیام کا انحصار برطانیہ کی شمشیر حکومت پر ہے۔ مگر وہ برطانوی راج جسے ختم کر دینے کا ارادہ ملک معظم کے تازہ اعلان میں مضمر ہے۔ جب واقعی ختم ہوگا تو ملک پارہ پارہ ہو جائیگا اور یہاں ایسی آفت آئیگی کہ اس کی مثال مسلم راج کے گزشتہ ایک ہزار سال کی تاریخ نہیں پیش کر سکے گی۔

مجھے یقین ہے کہ برطانیہ ہمیں اپنی ایک سو پچاس برس کی بادشاہت سے یہ وراثت نہ دیگا اور ہندو اور مسلمان بھی ایسی یقینی تباہی اور بربادی کا خطرہ برداشت کرنے کیلئے تیار نہ ہونگے۔

اسلامی ہند ایسا آئین قبول نہیں کر سکتا جو بلاشبہ ہندو اکثریت کے راج پر منتج ہو۔ اور ظاہر ہے کہ وہ نظام جمہوریت جو مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں پر جبراً عائد کیا جائیگا۔ ہندو راج کے برابر ہوگا۔ کانگریس کے مختاران کار (ہائی کمانڈ) اسی قسم کی جمہوریت کے شیدائی ہیں۔ اور اس کے عمل دخل کے معنی صرف یہ ہو سکتے ہیں کہ وہ تمام چیزیں جو اسلام کے اندر قابل قدر و قیمت ہیں۔ کامل طور پر تباہ ہو جائیں۔

ہم مسلمانوں کو گزشتہ دو اڑہائی سال میں اس امر کا کافی و وافی تجربہ ہو چکا ہے کہ کس طرح صوبوں میں حکومت خود اختیاری عمل پذیر رہی - اگر ایسی حکومت ایک بار پھر قائم کیگئی تو اس کا نتیجہ خانہ جنگی ہوگا اور ایسے پرائیویٹ لشکر مرتب کئے جائینگے - جن کی سفارش مہاتما گاندھی نے سکھر کے ہندوؤں سے کی اور انکو کہا کہ تشدد ہو یا عدم تشدد مگر آپ لوگوں کے لئے یہ امر بہر حال لازم ہوگا کہ اپنی حفاظت کا فرض خود انجام دیں - اگر دشمن ایک ضرب لگائے تو اُس کا جواب ضرب سے ہی دیں - اور اگر یہ نہ ہو سکے تو نقل مکانی کر جائیں -

مُسلمان مروّجہ معنی میں اور اقلیت کے تمام مفہوم کے مطابق ایک اقلیت نہیں ہیں - اس رائے کو درست ماننے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ہم اِدھر اُدھر ایک نگاہ ڈالیں -

آج بھی ہندوستان کے برطانوی نقشے کے مطابق گیارہ صوبوں میں سے چار صوبوں میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے - حکومت کا کام جدید آئین کے ماتحت برابر ہو رہا ہے - حالانکہ کانگرس کے مختارانِ کار اسی آئین سے نہ صرف عدم تعاون کر رہے ہیں - بلکہ سول نافرمانی کی تیاری میں مشغول ہیں -

قومیت کی تعریف چاہے جس طرح کی جائے - مُسلمان اُس تعریف کی رُو سے ایک الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں - اور اس لئے اس بات کے مستحق ہیں کہ مُلک میں ان کی اپنی ارضِ وطن - اُن کی اپنی الگ مملکت اور اپنی جُداگانہ خود مختار ریاست ہو - ہم مسلمان چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے اندر ہم ایک آزاد قوم بن کر اپنے ہمسایوں کے ساتھ ہم آہنگی اور امن وامان سے زندگی بسر کریں - ہماری تمنا ہے کہ ہماری قوم

اپنی روحانی، اخلاقی، تمدنی، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی زندگی کو کامل ترین نشوونما بخشے۔ اور اس کام کیلئے وہ طریق عمل اختیار کرے جو اُسکے نزدیک بہترین ہو۔ اور ہماری رائے میں ہمارے عطیات قدرتی اور نصب العین سے ہم آہنگ ہو۔

دیانتداری کا یہ تقاضا ہے اور ہماری ملت کے کروڑوں افراد کے اغراض و مفاد کا مطالبہ یہی ہے کہ ہم ایک ایسے باوقار عزت مند اور پُر امن سمجھوتہ کی تلاش کو اپنا ایک پاک فرض قرار دیں جو باقی اقوام کے حق میں عین منصفانہ بھی ہو۔ لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بھی لازم ولابُد ہے کہ ہم دوسروں کی دھمکیوں اور جبر و تشدد کے سبب راہ راست سے ہرگز ہرگز نہ بھٹکیں اور نہ اپنے مدعا سے دست کش ہو جائیں۔ ہمیں تمام مشکلات ممکنہ اور نتائج کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار رہنا ہوگا۔ اور اُس منزل مقصود پر پہنچنے کیلئے ہر ہر قسم کا ایثار کرنا پڑیگا۔ کوئی قربانی ایسی نہ ہونی چاہیئے جو ہماری راہ کی رکاوٹ بن سکے۔

خواتین اور حضرات! یہ ہے وہ کام جو ہمیں درپیش ہے۔ مجھے خوف ہے کہ تقریر کے لئے جتنا وقت لینا چاہیئے مَیں اُسکی حد سے آگے نکل گیا ہُوں۔ اس کے باوجود کتنی ہی اُور باتیں ہیں جو مَیں کہنا چاہتا ہُوں۔ مگر مَیں نے ایک مختصر سا رسالہ شائع کر دیا ہے۔ اور اِس میں جملہ امُورِ متعلقہ کی وضاحت کر دی ہے۔ آپ اِس کا اُردو یا انگریزی نسخہ لیگ کے دفتر سے لے سکتے ہیں۔ اس سے آپکو ہمارے اغراض و مقاصد کا علم زیادہ صحت و صفائی سے ہو سکیگا۔ اس میں مسلم لیگ کی بعض نہایت اہم درجہ قرار دادیں اور متعدد اہم بیانات مندرج ہیں۔

بہرحال مَیں نے اس کام کی توضیح کر دی۔ جو ہمیں کرنا ہے۔ کیا آپ کو اس کام کی عظمت اور شدّتِ وقت کا احساس ہو گیا ہے؟ کیا آپ اس حقیقت سے آگاہ ہو گئے

ہیں کہ حریت اور آزادی محض دلائل سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ میں اپنی قوم و ملت کے فہیم اور ذکی احباب سے اپیل کرتا ہوں۔ کیونکہ دنیا کے ہر ملک میں صاحبانِ فہم و ذکا ہی تحریکاتِ آزادی کی رہنمائی کرتے چلے آئے ہیں اور ان ہی لوگوں کو اس معاملہ میں اولین کارکنوں کا مرتبہ حاصل ہوا ہے۔ اب بتائیے کہ مسلمان ارباب دانش کیا کرنے کیلئے تیار ہیں؟ میں آپ کو بتاؤں گا کہ تاوقتیکہ کام اور کوشش کی خواہش ہمارے رگ و ریشہ میں سرایت کر کے جزو خون نہ بن جائے۔ جبتک آپ اپنے چغے اُتار کر اکھاڑے میں نہ اُتریں۔ اور ہر ہر قسم کی قربانی نہ کریں۔ اور پھر اپنے ہم قوموں کیلئے کامل بے غرض سرگرمی اور اخلاص کام میں نہ لائیں گے۔ آپ کبھی اپنا مقصد نہ پائیں گے۔

میرے دوستو! میں چاہتا ہوں کہ پہلے آپ بڑی صحت اور صفائی کے ساتھ عزم صمیم کر لیں۔ اور اس کے بعد اُن تجاویز کی نسبت سوچیں جو کامیابی پر منتج ہو سکتی ہیں۔ ایک راسخ ارادے کے بعد مسلمانانِ ہند کو منظم کریں اور اُنکی طاقتوں کو یکجا۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے عوام بیدار ہو گئے ہیں۔ اُن کو صرف اس امر کی حاجت ہے کہ صحیح رہنمائی کی جائے۔

اے خادمانِ اسلام! اپنے اربابِ ملت کو اقتصادی، سیاسی، تعلیمی اور معاشرتی تمام پہلوؤں سے منظم کرو۔ پھر تم دیکھو گے کہ تم یقیناً ایک ایسی قوت بن گئے ہو جس کی طاقت ہر شخص تسلیم کرے گا۔ (نعرہ ہائے تحسین)

قائداعظم

کا

وُہ خطبہ جو آپ نے "پنجاب مُسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن" کے اجلاس خاص

پاکستان

میں ۲ مارچ ۱۹۴۱ء کو ارشاد فرمایا۔

خواتین اور حضرات! اس وقت میرا پہلا کام یہ ہے کہ آپ کا ایک بار پھر شکریہ ادا کروں کہ آپ نے مجھے "پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن" کی اس کانفرنس کی صدارت کی عزت بخشی۔

جیسا کہ مَیں پہلے عرض کر چکا ہُوں۔ صدارت کی یہ دعوت ایک بلاوا تھا جو میرے ہم خیال اور ہم نفس مہربانوں نے بھیجا۔ اس لئے اسے قبول کرنے میں مجھے بےحد خوشی حاصل ہوئی۔ مَیں کل یکم مارچ سے آپ کا مہمان ہُوں اور دیکھ رہا ہُوں کہ کس عمدگی سے آپ نے اس کانفرنس کی تنظیم کی ہے۔ مَیں نے آپ کے مباحثات بھی سُنے ہیں۔ جن پر مَیں آپ کو صدق دل سے مبارک باد کہتا ہُوں۔ (نعرہ ہائے تحسین)

مَیں نہ صرف ان نوجوانوں کو جو آج یہاں جمع ہیں بلکہ لاہور کے بہت سے مُسلمانوں کو اور اُن کو جو پنجاب کے مختلف حِصّوں سے آئے ہیں بتانا چاہتا ہُوں کہ مجھے اس امر کا کامل احساس ہے اور اس سے مجھے بےحد مُسرّت ہوئی ہے کہ اب پنجاب کے مسلمان بیدار ہو گئے ہیں اور اس وقت یہاں مُسلمان نوجوانوں کا ایک ایسا چھوٹا سا گروہ موجُود ہے جس نے

اس کانفرنس کی ترتیب و تنظیم میں بڑی جانفشانی سے محنت کی ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں ان کارکنوں کو یہ دیکھ کر کہ ان کی کوشش و کاہش بار آور ہوئی ہے۔ اطمینان حاصل ہوگا۔ یہی اُن کا انعام ہے (نعرۂ تحسین)

فیڈریشن کے اراکین۔ خواتین اور حضرات!

سب سے پہلے میں مُسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے آپ کی خدمت میں اختصار کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ گزشتہ تین سال میں مسلم لیگ نے کیا کیا کام کئے۔

جیساکہ آپکو معلوم ہے ۱۹۳۶ئہ میں مسلم لیگ خفتہ تھی اور مُسلمان مُردہ، مگر پچھلے تین سال کی مدّت میں مسلم لیگ نے ہندوستان کے طول و عرض میں مسلمانوں کو اس حد تک منظم کرلیا ہے کہ دوست اور دشمن دونو اس حقیقت کے مقر ہیں اور متعجب بھی۔ (نعرۂ تحسین)

جب اِن ایّام کی تاریخ لکھی جائیگی تو یہ امر قابل غور متصور ہوگا کہ کس طرح ان تین سال میں ہندوستان کے نو کروڑ مسلمانوں میں سے اکثر و بیشتر ایک ہی پلیٹ فارم کے گرد اور ایک ہی جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے ہیں۔

اسکی مثال مسلمانوں کی گزشتہ دو صدیوں کی تاریخ میں نہیں ملیگی (نعرۂ تحسین) اِسے ایک مُعجزہ یا کرامت کہیں تو غلط نہ ہوگا۔ ہمارے تمام دشمنوں اور مخالفوں کا پختہ خیال تھا اور اُنھیں امید تھی کہ اسلامیان ہند متحد نہ ہونگے اور آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں گے۔ چنانچہ اُنہوں نے اسے ایک تبلیغی فرض قرار دے رکھا تھا کہ جس طرح ہو مسلمانوں کے مابین افتراق پیدا کریں اور وہ بہت سے حصّوں میں منقسم ہو جائیں۔ مگر آج کی سُنیئے کہ ان لوگوں نے اپنی اس کوشش سے ہاتھ اُٹھا لیا ہے۔ (نعرۂ تحسین) میں اِس کی

ایک حالیہ مثال پیش کرتا ہوں ۔ مرکزی اسمبلی میں حلقہ رہیلکھنڈ کی نشست خالی ہوئی ۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ یہ نشست کانگرس کے قبضہ میں ہے ۔ چنانچہ نشست خالی کرنے والا ممبر مسلمان تھا، مگر کانگرسی ۔ اور ہاں مجھے کہنا چاہئیے کہ میں اُن لوگوں سے نہیں ہوں جو دوسروں کی ناکامی سے حظ اُٹھاتے ہیں اور اس کا اظہار بھی کرتے ہیں (نعرہ تحسین) مگر واقعہ یہ ہے کہ اِن صاحب کو جو حلقہ رہیلکھنڈ کی نشست پر بیٹھے تھے اسکے بغیر چارہ کار نہ تھا کہ کانگرس کی ہائی کمانڈ کے حکم کی تعمیل کریں اور انفرادی ستیہ گرہ کا عمل پورا کریں ۔ پھر اس کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ ملک معظم کے گھر ایک سال سے زیادہ عرصہ مہمان رہیں (قہقہہ) اس پر قانوناً اُن کی رکنیت چھن جائے ۔ مگر جب ہم نے نواب زادہ لیاقت علی خاں کو اپنی طرف سے امیدوار پیش کیا تو دُنیا نے دیکھا کہ کانگرس نہ زمین پر نہ اُفق آسمان پر ۔ (قہقہہ) یہ ہے بہت سی مثالوں میں سے فقط ایک ۔ اچھا اب لیگ کی کارکردگی پر نگاہ ڈالیں ۔

میری رائے میں یہ کہنا درست ہے کہ آج مسلم لیگ نے مسلمانوں کو ایک خاص وقار تک بلند کر دیا ہے ۔ لیگ نے اِن کو اس مُلک کے کاروبار اور قومی زندگی میں ایک عزتمند رتبہ دلایا ہے ۔ اس نے عامۃ المسلمین کے اندر رُوحِ تادیب پھونک دی ہے ۔ اور انہیں وضعداری اور خود اعتباری بخشی ہے ۔ جسکی سخت ضرورت تھی ۔ لیگ نے مسلمانوں کو ایسی تصویر میں جگہ دی ہے ۔ جس کا عکس اس وقت آپ کی نظروں کے سامنے ہے ۔ اور آج وہ اہم معاملے اور حل طلب مسئلے جو اسلامی ہند کو درپیش ہیں ۔ مسلمانوں کو ان کے درست موازنہ سے آگاہ کر دیا ہے ۔ پس کہنا چاہئیے کہ آج مسلمانانِ ہند کو ایک ایسا دفاع حاصل ہو گیا اور انکی شہرت اور نیک نامی کا یہ عالم ہے کہ ہماری توقعات سے کہیں

بڑھ کر نظر آتا ہے ۔ یہانتک کہ میری اور مجھ ایسے بہت سے لوگوں کو یہ توقع نہ تھی ۔

آج اسلامی ہند دفتری حکومت کے پنجے سے آزاد ہے ۔ چنانچہ وہ لوگ جنہیں ہم مسلمان طوعاً و کرہاً اپنا لیڈر سمجھتے تھے اور وہ اکڑ اکڑ کر چلتے پھرتے تھے ۔ مگر درحقیقت دفتری حکومت کے کارکن تھے ۔ اپنی قوت کھو چکے ہیں ۔ اسی طرح وہ لوگ بھی جو گاندھی ٹوپی پہن کر کانگرس کے پلیٹ فارم پر رعونت کے ساتھ اینٹھتے تھے بے یار و مددگار ہو گئے ہیں ۔ اور کچھ نہیں کر سکتے (نعرۂ مسرت)

اب مسلمانوں کے قبضے میں اُنکی ملکیت از سر نو آ گئی ہے وہ خود اپنے پلیٹ فارم کے گرد جمع ہیں اور اپنے جھنڈے تلے کھڑے ہیں اور محض اپنی حکمت عملی کو بروئے کار لائیں گے تاکہ اس منزل مقصود تک پہنچ جائیں ۔ جو اُن کیلئے خاص کر دیا گیا ہے (نعرۂ مُسرتِ) اس کے باوجود ہمیں ابھی بہت کچھ کرنا ہے ۔ اس لئے میں آپ سب بوڑھوں ، جوانوں ، عورتوں اور مردوں سے اپیل کرتا ہوں آئیے ہم سب مصروفِ کار ہو جائیں ۔

یاد رکھیئے ۔ سب سے پہلے ہمیں زرِ خالص حاصل کرنا ہوگا ۔ یعنی اسلامی ہند کو خود اپنی حکومت کے ماتحت لانا ہوگا ۔ مگر آپ اس مُدعا کو محض قرار دادیں منظور کرنے سے نہیں حاصل کر سکتے ۔ کیا آپ کو اس امر کا احساس ہو گیا ہے کہ اسکے کیا معنی ہیں ؟

یہ درست ہے کہ ہم نے سینکڑوں پلیٹ فارموں سے اس حقیقت کا اعلان کیا ہے کہ ہم ایک اقلیت نہیں ہیں ۔ بہت خوب ہم واقعی ایک اقلیت نہیں ہیں ۔ مجھے افسوس ہے کہ ہندو لیڈر ابھی تک یہ راگ الاپ رہے ہیں کہ مُسلمان ایک اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس لئے ہم ان کو وہ تمام تحفظات عطا کرنے کے لئے تیار ہیں ۔ جن کا فیصلہ

جمعیت الاقوام (لیگ آف نیشنز) نے بعض اصولوں پر کر رکھا ہے۔

مَیں نے اس تجویز و تدبیر کا ذکر آج ہی پڑھا ہے۔ اسے کل ہندوؤں کی اقلیتوں کی کانفرنس میں ایک ہندو لیڈر نے پیش کیا۔ مَیں اپنے دوست ہندو لیڈروں کو اطلاع دیتا ہوں کہ لیگ آف نیشنز کا جنازہ نکل چکا ہے۔ اور آپ اس سے بے خبر ہیں۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ آپ آج سے ایک چوتھائی صدی پیشتر کی دُنیا میں رہتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ آپکو ابھی تک اس امر واقعہ کا احساس نہیں ہوا کہ آج کل دُنیا کی صُورت ماہوار اور ہفتہ وار تبدیل ہو رہی ہے اور یہ کام یورپ اور دُوسرے مقامات کے جنگی معرکوں میں ہو رہا ہے۔

مَیں پُوچھتا ہُوں کہ کیا یہ قدامت پسند فرقہ۔ جو دوسرں سے کچھ بہت واسطہ نہیں رکھنا چاہتا اپنے ارادوں اور اپنی آراء کو بدل کر دورِ حاضر کے کوائف کے مطابق نہیں کر سکتا؟ بہرحال یہ دعویٰ قطعاً درست ہے اور روزِ روشن کی طرح عیاں کہ ہم مسلمان ایک اقلیت نہیں ہیں۔ ہم ایک قوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (نعرۂ تحسین)

اور ایک قوم کیلئے ایک وطن یا مملکت بھی لازم ہے۔ اپنے آپ کو ایک قوم قرار دینے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کوئی قوم ہَوا میں نہیں بستی۔ وہ زمین پر زندگی بسر کرتی ہے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ کسی زمین یا مملکت کی حاکم ہو۔ اُس کے قبضے میں ایک خود مختار ریاست اور علاقہ ہونا چاہیئے۔

خوب یاد رکھیئے کہ یہ ایک معمُولی سا کام نہیں جو آپ نے اختیار کیا ہے۔ یہ ایک بہت ہی بڑا کام ہے جو آپنے سلطنت مُغلیہ کے زوال سے لیکر آج تک اپنے ذمّے لیا ہے۔ اچھّی طرح سمجھ لیجئے کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے آپ کو تمام وسائل متعلقہ کی ضرورت ہے

اور تیاری کرنیکی حاجت۔ آپ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیں کہ آپکو محض خیال بندیوں اور دلچسپ سیاسی مقولوں سے سروکار نہ رکھنا چاہیئے اور نہ اُنہیں کافی تصوّر کرنا چاہیئے۔

ایک قوم کیونکر بنائی جاتی ہے؟ جب وہ ایک بار زوال پذیر ہو چکے تو اس کا احیائ کس طرح کیا جاتا ہے؟ ہمیں ان سوالات کا جواب دینا ہوگا۔

ہم مسلمان برباد شدہ اقوام کے زمرہ میں داخل ہیں۔ ہم بدترین زمانہ دیکھ چکے ہیں۔ البتہ مَیں یہ دیکھ کر خوش ہُوں کہ اب اس ملک میں قومِ اسلام کی دوبارہ زندگی اور احیاء کا آغاز قطعی طور پر ہو رہا ہے۔ ہم ضرور زندہ ہیں۔ مگر ہم صرف ابھی ابھی بیدار ہُوئے ہیں۔ ہم فقط آنکھیں کھول رہے ہیں۔ ہمیں محض اتنا شعُور حاصل ہُوا ہے کہ اپنے گرد نگاہ ڈالیں۔ آپ ابھی ایک مریض ہیں یا مرض سے چھٹکارا پا رہے ہیں مگر کمزور ہیں۔ آپ کیلئے ضروری ہے کہ کامل طور پر صاحبِ صحّت اور طاقتور بننے سے پہلے اُن ایام کو گزاریں جب کہ آپ کی صحّت اور طاقت بحال ہو رہی ہوگی۔

آپ اپنی قوم کو صحت کی منزل پر لانے اور حصولِ مقصد کے قابل بنانے کا انتظام کس طرح کرینگے؟ اس کام کیلئے کوئی شاہراہ نہیں کہ آپ آسانی سے منزل کو جالیں۔

میرے نوجوان دوستو! سب سے پہلے آپ کو تعمیرِ قوم کے ادارات میں محنت کی داد دینی ہوگی۔ آپ پوچھیں گے کہ یہ ادارات کون سے ہیں اور کیا ہیں؟ لیجئے مَیں آپ کو بتاتا ہُوں۔ دُنیا میں کم سے کم تین ستُون تین رُکن ایسے ہیں جو کسی قوم کو صاحبِ مملکت اور لائقِ حکُومت بننے کا حق دار ٹھیراتے ہیں۔ ان میں سے ایک تعلیم ہے۔ تعلیم کے بغیر آپ اُسی حالت میں ہونگے جیسا کہ کل رات پنڈال کے اندر اندھیرے میں تھے۔ اور اگر تعلیم ہوگی تو آپکی کیفیت اس وقت کی سی ہوگی کہ روزِ روشن میں بیٹھے ہیں۔

تعلیم کے بعد ہمیں دیکھنا ہے کہ کوئی قوم کبھی کوئی کام نہیں کر سکتی۔ تاوقتیکہ وہ پہلے اپنے آپ کو اقتصادی لحاظ سے یعنی تجارت، صنعت وحرفت اور تخلیقِ دولت کے دوسرے سب کاموں میں طاقتور، اور پُرزور نہ بنالے۔

آخری اور تیسرا اہم امر یہ ہے کہ جب آپ کو تعلیم کے ذریعے نورِ علم حاصل ہو چکے اور آپ تجارت اور صنعت وحرفت میں کامیاب ہو کر اقتصادی لحاظ سے بھی طاقتور ہو لیں تو آپ اپنی حفاظت اور بیرونی حملوں کے دفاع کی تیاری کریں۔ نیز اندرونِ ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے قابل ہو جائیں۔

یہ ہیں وہ تین ستون جن پر کسی قوم کی ہستی کا انحصار ہے پھر آپ کی قوم کی طاقت اُسی نسبت سے ہوگی۔ جس سے کہ آپ ان تین ستونوں کو طاقتور بنانے کیلئے تیار ہونگے اور تیاری اور کوشش کرتے رہینگے۔ آج ان تینوں کے لحاظ سے جماعتِ اقوام میں آپ کا درجہ سب سے پست ہے۔

تعلیمی پہلو سے آپ کو بہت سی کمی پُوری کرنی ہے۔ اقتصادی اور مالی نکتۂ نگاہ سے مُسلمان سارے ہندوستان میں افلاس زدہ ہیں بلکہ دیوالیہ ہونیکے عین قریب پہنچے ہوئے ہیں۔ رہا اپنی حفاظت اور دشمنوں کے دفاع کا معاملہ۔ اسمیں بھی وہ مواقع جو موجودہ نظام حکومت کے ماتحت مسلمانوں کو میسّر ہیں۔ کافی نہیں۔ اس شعبہ میں مُسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

میرے نوجوان دوستو! میں دیکھتا ہُوں کہ آپ نے ترقی کے لئے اچھّے خاصے ارادے کر رکھے ہیں جو بجائے خود بہت قابل داد ہیں۔ آپ اس امر کے بھی بخوبی خواہشمند ہیں کہ اپنے بھائی مسلمانوں کو ہمراہ لے کر ہمت سے کام اختیار کریں۔ پس میں ایک پروگرام

(لائحہ عمل) پیش کرتا ہوں۔
آپ بہت باتیں نہ بنایا کیجئے اور بیجا فخر و افتخار کی بولی نہ بولیئے۔ مجھے یقین واثق ہے کہ اس قسم کی زبان اور ایسے کلام کی مطلق ضرورت نہیں۔ ہمیں اس بات کی بھی ضرورت نہیں کہ دوسروں کو دھمکیاں دیں۔ اسکی وجہ کیا ہے؟ سنیئے۔ یہ ایک سیدھا سا معاملہ ہے۔ ہم نے اپنے مدعا کی بنیاد دیانت، انصاف اور صداقت پر رکھی ہے۔ یہ تو ہوئی پہلی وجہ۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو طاقتور ہوتے ہیں اپنے آپ پر بھروسہ کرنا سیکھ لیتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ کامیاب ہو سکتے ہیں۔ دشمن کے خلاف کسی قسم کی غیر ضروری دھمکیوں سے اجتناب کرتے ہیں اور پُر غرور باتوں سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں تک ممکن ہو ہم اپنے مخالفین کو دلائل سے قائل کریں اور اپنے ڈھب پر لائیں۔
ظاہر ہے کہ ہمارے دلائل اور ترغیبات ہمیشہ کارگر نہیں ہو سکتیں۔ مگر ہمیں لازم ہے کہ اس قسم کی ہر ممکن کوشش کئے جائیں۔ ہم پر واجب ہے کہ اُن لوگوں کے خلاف کوئی غیر ضروری تلخی نہ پیدا ہونے دیں جو اس وقت ہماری قرارداد پاکستان کے مخالف ہیں۔ ہمیں اس کی بھی ضرورت نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ خود ان مخالفین کو بھی انجام کار یہ احساس ہو جائیگا کہ ہندوستان کے اس انتہا درجے کے شدید مسئلے کا ایک اور اکیلا حل بلکہ اس مشکل کا بہترین حل یہی ہے جو ہم پیش کر رہے ہیں۔ ہمارے تمام مخالفین جہاں کہیں بھی وہ ہوں اور مسلمانوں کے علاوہ وہ تینوں فریق یعنی والیانِ ہند۔ اہل ہنود اور برطانوی حکومت جن کو ہماری قرارداد پاکستان سے تعلق ہے۔ ان سب کی بہتری اسی میں ہے اور اُن کے مفاد و اغراض کا تقاضا یقیناً یہی ہے کہ وہ ہماری قرارداد منظور کر

لیں۔ میرے خیال میں وُہ خود جلد ہی محسُوس کرنے لگیں گے کہ صرف وہ حل جو مُسلمان بتا رہے ہیں۔ درست ہے۔ میرے پاس اس دعوے کے دلائل کیا ہیں؟ اس کا جواب مَیں آگے چل کر دُونگا۔ ان سب اُمور کے پیش نظر میں اپنے موضوع پر مزید بحث کرتا ہُوں۔ چنانچہ میں کہُونگا کہ اگر ایک چھوٹے سے چھوٹے راستہ پر چل کر کم سے کم وقت کے اندر اور جلد سے جلد اپنی منزلِ مقصُود پر پہنچنا چاہتے ہیں تو اپنی قومی عمارت کی تعمیر اُن بنیادوں پر کریں جن کی تشریح مَیں نے کر دی ہے۔

خواتین و حضرات! اس کے بعد مُجھے یہ عرض کرنا ہے کہ ہمارے سامنے دو سوال ہیں۔ ایک زمانہ حال سے متعلّق ہے اور دُوسرا دورِ مستقبل سے۔

جہاں تک موجُودہ صورتِ حال کو دخل ہے۔ مجھے مسلم لیگ کی حالت بیان کر دینی چاہیئے۔ آپ جانتے ہیں کہ دُنیا کے ایک سے زیادہ برّاعظم میں ایک شدید جدّوجہد جاری ہے۔ آپ کو علم ہے کہ اس جنگ میں برطانیہ کو موت وحیات کا مسئلہ درپیش ہے۔ اس امر سے بھی آپ آگاہ ہیں کہ موجُودہ نظامِ حکومت کے ماتحت ہندوستان بھی متخاصمین جنگ میں سے ایک ہے۔ بات یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان پر برطانیہ کی حکومت ہے۔ لہذا ہندوستان جنگ میں شامل ہے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ جنگی کوششوں میں ہندوستان کیلئے لازم ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ کام کرے۔ برطانیہ کے خلاف ہماری شکایات خواہ کتنی شدید ہوں۔ ہمیں اس امر کا احساس ہے کہ ہندوستان خطرے میں ہے۔ ہم چاہیں تو اسے اپنی بد قسمتی پر محمول کر سکتے ہیں۔ اس کے متعلّق آپ کے احساسات اور خیالات خواہ کچھ بھی ہوں آپ اس مرکزی حقیقت سے گریز نہیں کر سکتے کہ ہندوستان خطرے میں ہے اور اس لئے خود ہمارے اغراض کا تقاضا ہے کہ ہم اُن جنگی کوششوں کی راہ میں مشکلات

نہ پیدا کریں جو ہندوستان کی حفاظت، اضافۂ قوت اور دشمن کے دفاع کیلئے کی جا رہی ہیں۔ ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ برطانیہ کو کسی طرح سے پریشان کریں۔ مَیں برطانوی حکومت کا وکیل نہیں ہُوں اور مجھے برطانیہ اور اُس کے رفقاء کے جذبات کی پاسداری بھی مدِّنظر نہیں ہے۔ مگر ان سب حالات کے پیش نظر مسلم لیگ اس امر پر رضامند تھی کہ حکومت برطانیہ کی پُوری مدد اور صدق دل سے اس کے ساتھ تعاون کرے۔ بشرطیکہ اس امر پر باہمی رضامندی اختیار کر لی جائے کہ ہم نہ صرف ذمہ داری کا بار سر پر اُٹھائیں بلکہ اس کے ساتھ ہی ہمیں مُوجودہ آئین کے اندر رہ کر حکومت میں حصہ دیا جائے۔ چنانچہ ہمارا مطالبہ یہ تھا کہ مُسلم لیگ کے نمائندوں کو مرکزی حکومت اور صوبوں کی حکومتوں میں معقول اور حقیقی اختیار حاصل ہو۔ تاکہ ہم سچی اور کارگر امداد کر سکیں۔

ہمارے آدمیوں سے کام لیا جائیگا اور کس طرح؟ اگر حکومت کے کام میں ہماری شنوائی نہ ہو تو اسکے متعلق ہماری ذمہ داری قطعاً بے اثر ہوگی۔ پس یہ امر لازم تھا کہ کُل افواج ہند کے متعلق بھی ہمیں اختیارات دیئے جائیں۔ ہم کروڑ ہا روپے کے اخراجات کی ذمہ داری اور بوجھ کس طرح لے سکتے ہیں جبکہ ہمیں ان اختیارات میں کوئی حصہ حاصل نہیں جنکے استعمال پر ان اخراجات کا انحصار ہے۔ ہم اپنی ذمہ داریوں اور بوجھ سے کس طرح عہدہ برآء ہو سکتے ہیں جبکہ ہمیں حکومت کے کاروبار پر کوئی اقتدار حاصل نہیں۔

اس اصُول کی صحت کو خود برطانوی حکومت نے درست تسلیم کیا ہے کہ ذمہ داری اور اختیار لازم و ملزوم ہیں۔

اس سے کسی کو انکار نہیں۔ لیکن جب اصُول کو عمل میں لانے کا وقت آیا تو لارڈ لنلتھگو یا مسٹر ایمری یا دونوں نے، خبر نہیں کہ حقیقت میں کس نے ایک ادنیٰ سا اختیار دے ڈالنے

کی پیشکش کی اور بغیر کسی قسم کی تفصیل کے صرف اتنا کہا کہ ہم آپ کو مرکزی مجلس منتظمہ میں دو نشستیں دیتے ہیں۔ (قہقہہ) اس طرح آغاز کار میں ہی اُس اصُول کی نفی کر دی گئی جو کس طمطراق سے پیش کیا گیا تھا اور اس اصول کی توہین بھی کی گئی حالانکہ اس کا وجُود دانائی اور فیاضی کا مرہُون منّت قرار دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے اور آپ تسلیم کرینگے کہ اس قسم کی پیشکش کو کوئی ذمہ دار اور منظم جماعت قبول نہیں کر سکتی۔ چنانچہ آل انڈیا مسلم لیگ نے اسے رد کر دیا۔

یہ تو سب کچھ ہوُا دَور حاضر کے متعلق۔ اب مستقبل پر غور و فکر کی باری ہے۔

خواتین و حضرات۔ مَیں نے دور آیندہ کو اپنی پوری سے پوری توجّہ دی ہے اور بغیر تعصّب یا ہٹ دھرمی کے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ لاہور کی قرارداد "پاکستان" کے خلاف تمام دلائل و براہین کا غور سے مطالعہ کروُں اور ان کا امتحان لوُں۔

ہم اپنی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ ہم ہر حال میں قرارداد لاہور کی تائید و تصدیق کرتے ہیں۔ (نعرۂ تحسین) اور جہاں تک حالات اجازت دیں ہم اسے فی الفور یا جنگ کے بعد عمل میں لانا چاہتے ہیں یہ ہے ہمارا مطالبہ۔ ہم اسے ہندؤوں سے نہیں کرتے۔ کیونکہ ہندوُ کبھی سارے ہندوستان پر قابض نہ تھے۔ البتہ مسلمانوں نے سارے ہندوستان میں سات سو برس تک حکومت کی۔ اہل برطانیہ نے یہ ملک مسلمانوں سے لیا۔ اس لئے ہم ہندؤوں سے مطلق کچھ نہیں مانگتے۔ ہمارا مطالبہ برطانویوں سے ہے کیونکہ اس وقت قبضہ اُن ہی کا ہے۔ یہ کہنا کہ ہندوستان ہندؤوں کی ملکیت ہے۔ قطعًا حماقت ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان بھی کسی زمانہ میں ہندوُ تھے۔ ہندوُ لیڈر یہ اور ایسے ہی دوسرے احمقانہ دلائل پیش کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ فرض کرو ایک انگریز جو انگلستان

میں رہتا ہے اور مسلمان ہو جاتا ہے۔ مگر وہ پاکستان کا مطالبہ نہیں کرتا۔ کیا آپ کے پاس دیکھنے کو آنکھیں اور سمجھنے کو دماغ نہیں کہ اگر انگلستان میں ایک انگریز اپنا مذہب تبدیل کرتا ہے تو وہ اس کے باوجود اپنی سماج کا ممبر رہتا ہے۔ اور پہلے کی طرح اُسی تہذیب، نظامِ معاشرت اور ثقافت اور تحصیلات علمی سے تعلق رکھتا ہے۔

اس کے خلاف کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ جب ایک ہندو اسلام اختیار کرتا ہے۔۔ چاہے یہ واقعہ آج سے ایک ہزار سال پہلے پیش آیا ہو۔ تو ایک ہندو نہیں بلکہ اکثر و بیشتر سب ہندو جو مسلمان بن گئے۔ ہندوؤں کے نزدیک ملیچھ ٹھہرے۔ ذات سے خارج کئے گئے اور ہندوؤں نے ان لوگوں سے کسی قسم کا دینی اور تمدنی واسطہ نہ رکھا۔ چنانچہ تبدیل مذہب کے ساتھ ہی ان مسلمانوں نے ہندوؤں سے ایک جدا دنیا میں رہنا شروع کیا۔ اور ایک ایسے دینی، تمدنی۔ معاشرتی نظام کے پابند ہو گئے جو ہندوؤں سے مختلف تھا بلکہ اہل ہنود اور اہل اسلام کے نظام میں ہمیشہ تصادم قائم رہا۔ فلسفہ۔ علمی تحصیلات مذہب اور معاشرت سب کے لحاظ سے یہ اختلاف ہزار سال سے چلا آتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ ان حقائق کا مقابلہ اس بیوقوفانہ دعوے سے کریں کہ "محض تبدیل مذہب کو مطالبہ پاکستان کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا"۔ آپ بنیادی اختلاف کو نہیں دیکھتے؟ میں اس لئے دعوے کرتا ہوں کہ کوئی دیانتدار آدمی اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتا کہ مسلمانانِ ہند ہندوؤں سے قطعی طور پر ایک جدا قوم ہیں۔ اسے لاکھوں ہندو دوست تسلیم کرتے ہیں۔ اور سینکڑوں ہندوؤں نے خود مجھ سے اپنے اس خیال کا اظہار کیا اور مان لیا کہ قرارداد لاہور ہمارے مسئلہ کا ایک اور اکیلا حل ہے۔ اندریں حالات اس مسئلہ پر مزید بحث سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ مگر اب یہ دیکھنا ہے کہ اس کے خلاف پراپاگنڈا کس

طرح کیا جاتا ہے۔ مَیں نے اسکے سمجھنے اور مخالفین کے دلائل پر غور کرنے میں ہر انسانی اور امکانی کوشش کی ہے۔

اب دلائل کی سُنیئے۔ مہاتما گاندھی کہتے ہیں کہ یہ ہندوستان کو چیرنے پھاڑنے کے برابر ہے۔ اس دعوے سے فی الفور ہیبت طاری ہوتی ہے۔ مگر کیا یہ مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے کیلئے ہے تاکہ اس سے باز آئیں۔ یا مقصد یہ ہے کہ ہندو ہراساں اور سراسیمہ ہو جائیں کہ ان کی مادر وطن کو یہ بدبخت مسلمان چیرنے پھاڑنے پر تلے ہوئے ہیں۔

مَیں پوچھتا ہوں کہ ہندوستان کو کب ایک وحدانی حیثیت حاصل تھی؟ کبھی نہیں۔ پھر چیرنے پھاڑنے اور پارہ پارہ کرنے کے الفاظ کا استعمال بیمعنی ہے۔ مگر مہاتما گاندھی کا چیلہ مسٹر راج گوپال آچاریہ اُن سے بھی ایک قدم آگے نکل گیا ہے اور کہتا ہے کہ پاکستان بنانا کسی بچے کو دو ٹکڑے کر ڈالنے کے مرادف ہے۔ مَیں اُن سے عرض کرونگا کہ بھیّا! دکھاؤ تو وہ بچہ کہاں ہے۔

مسٹر آچاریہ نے اس پر اکتفاء نہیں کیا۔ اور ایک قدم اور آگے بڑھ کر فرمایا کہ اس کا مطلب یوں سمجھیئے کہ دو ہندو بھائی لڑ رہے ہیں اور ان میں سے ایک بھائی مادر گاؤ کو دو ٹکڑے کرنا چاہتا ہے۔

خواتین وحضرات! مَیں ہمیشہ دوسرے فرقوں کے مذہبی احساسات کا احترام کرتا رہا ہوں۔ مگر جب مسٹر راج گوپال اچاریہ جیسا صف اوّل کا مدبر ہندوؤں کے مذہبی احساسات اور جذبات کو اس طرح اُکسائے اور کہے کہ مسلمان گائے کے دو ٹکڑے کیا چاہتے ہیں تو اس کے صرف یہ معنے ہو سکتے ہیں کہ اب اُن کے پاس کوئی پُر اثر دلیل نہیں رہی اور وہ اپنے دعوے کے ثبوت پیش کرنے سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ

ہمیں بتایا جاتا ہے کہ یہ تو خود اسلام کے بھی خلاف ہے۔ (قہقہہ)

خواتین و حضرات! مَیں نہ مولوی ہوں نہ دینیات کا فاضل۔ پھر بھی مَیں اپنے مذہب کے متعلق کچھ نہ کچھ معلومات ضرور رکھتا ہُوں اور مَیں اپنے دین کا ایک عاجز پیرو ہُوں۔ لیکن اس حقیقت پر مجھے ناز بھی ہے۔ (نعرۂ تحسین) مَیں پوچھتا ہُوں کہ خدا کے لئے بتاؤ کہ قرارداد لاہور میں اسلام کی مخالفت کہاں ہے اور کیوں ہے؟ مگر نہیں یہ دلیل بھی مسٹر راجگوپال آچاریہ جیسے لیڈر نے ہی پیش کی ہے۔

اس کے بعد ہمیں بتایا جاتا ہے کہ تعمیر پاکستان خود مسلمانوں کے اغراض و مقاصد اور مفاد کے خلاف ہے۔ میں اپنے ہندو دوستوں سے کہتا ہُوں کہ معاف رکھیئے اور مہربانی فرماکر ہماری خاطر پراگندہ خاطر نہ بنیئے۔ (نعرۂ مُسرت) ہم آپ کے شکرگزار ہیں کہ آپ نے ہمیں ہماری غلطی سے آگاہ کیا اور بتایا کہ ہمارا فیصلہ دانائی سے بعید اور ہمارے مفاد کے خلاف ہے۔ مگر ہم اپنی اُس قرارداد کے عواقب و نتائج برداشت کرنے کیلئے تیار ہیں۔ جسے ہم نے پُورے غور و خوض کے بعد منظور کیا ہے۔ پس آپ مہربانی فرماکر اپنے ہی اغراض کی پاسداری کریں۔

ایک اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اقتصادی پہلو سے ہماری تجویز ناقابل عمل ہے۔ اس کے متعلق جو کچھ ہندو لیڈروں نے لکھا۔ اور کہا ہے مَیں نے قریباً سب کا سب پڑھا ہے۔ مگر انہوں نے کوئی خاص دلائل پیش نہیں کئے۔ انہوں نے صرف یہ دلچسپ دعویٰ بار بار دُہرایا ہے کہ اقتصادی لحاظ سے پنجاب۔ سندھ۔ بلوچستان اور صُوبہ سرحدی۔ سب دیوالیہ صُوبے ہیں۔ اور اس لئے پاکستان کی تجویز عمل میں نہیں لائی جاسکتی۔ سوال یہ ہے کہ حقیقت میں کیوں قابل عمل نہیں؟ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اس

وقت اس بر اعظم کی آمدنی کے اکثر و بیشتر وسائل اور خود محاصل مرکزی حکومت کے قبضے میں ہیں ؟ اگر ہندوستان کے متعدد حصے کئے جائیں گے ۔ جنکو آزاد منطقوں کی حیثیت حاصل ہو گی ، جیساکہ ہم تجویز کر چکے ہیں تو پھر ان کو وہ ساری آمدنی براہ راست وصول ہو گی ۔ اور چونکہ مرکز موجود ہی نہ ہو گا اس لئے اُس کی وساطت کی ضرورت نہ رہیگی ۔

ہاں آپ ہمارے لئے پریشان کیوں ہوتے ہیں ۔ اگر ہمارے صوبوں میں مالی حالات نے بدترین سے بدترین صورت بھی اختیار کر لی تو ہم اپنے چُغہ کی کتر بیونت اُتنے ہی کپڑے سے کرینگے جو ہمارے پاس ہے ۔

اب اسلامی منطقوں میں ہندوؤں کی اقلیتوں کا مسئلہ غور طلب ہے ۔ اسکی نسبت آپ کیا رائے دینگے ؟ ہندو لیڈر تو کچھ نہیں بتاتے ۔

اس کے ساتھ ہی ہندو منطقوں میں مسلم اقلیتوں کا سوال ہے ۔ انکے متعلق میں اپنی رائے عرض کرتا ہوں کہ مسلم منطقوں میں ہندو اقلیتوں کے بطور اقلیت کامل تحفظات ہونے لازم ہیں ، اسی طرح ہندو منطقوں میں مسلم اقلیت کی حفاظت بطور اقلیت ہونی چاہیئے ۔

کیا اقلیتوں کے وجود کو دیکھتے ہوئے آپ یہ دلیل لا سکتے ہیں کہ مسلم منطقوں کے اندر ہندو اقلیتوں کی موجودگی کے سبب نو کروڑ مسلمانوں کو ایک مفروضہ اور مصنوعی وحدانی ہندوستان کے اندر بطور اقلیت رکھنا چاہیئے تاکہ ایک مرکز کے ماتحت رکھ کر انہیں ہمیشہ کیلئے مغلوب رکھا جائے ۔ یہاں تک کہ اُن صوبوں اور منطقوں کے مسلمان بھی جہاں ان کی اکثریت ہے ہمیشہ کے لئے اقلیت کی حیثیت میں رہیں ۔

انجام کار اور صرف گا ہے گا ہے ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ اگر ہندوستان کے حصے کر

دئے گئے تو مسلمان سارے ملک میں تنگ و تاز کرینگے اور ہندوؤں کیلئے سلامتی نہ رہیگی۔

اے میرے ہندو دوستو! آپ کم سے کم بیس کروڑ کی تعداد میں اس ملک کے اندر ہونگے۔ اور بیچارے مسلمان شمال مغربی منطقے اور مشرقی منطقے میں کُلّاً سات کروڑ سے زائد نہ ہونگے: مَیں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ محض اس سبب سے کیوں خائف ہیں کہ سات کروڑ مسلمان اپنی ارض وطن میں کامل طور پر حاکم ہیں اور اپنی قومی خصوصیات۔ قوانین اسلام اور اپنے دینی معاشرتی نظام اور ذہنی تحصیلات یا ثقافت کے مطابق داد نشو و نما دے رہے ہیں۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ مملکتیں یا ریاستیں قائم کرنیکے بعد صرف سات کروڑ مسلمان سارے ہندوستان پر چڑھ دوڑینگے۔ اب مَیں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ اگر پاکستان نہ بنایا جائے اور ایک متحدہ ہند کے لئے محض ایک آئین ہو جو صرف کاغذ پر لکھا رہے تو آپ اس خطرے سے کس طرح بچ سکتے ہیں کہ نو کروڑ مسلمان ہندوستان میں شور مچا کر غلبہ پالیں گے (جو کام کہ سات کروڑ کر سکتے ہیں یا کرینگے اُسے نو کروڑ بھی تو کر سکتے ہیں)

ہندو بھائیو! نو کروڑ خطرناک باشندوں کی موجودگی میں آپ ایک کاغذی آئین ایک متحدہ ہندوستان کیلئے کیوں مانگتے ہیں؟ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی خواہش پوری ہونے کی صورت میں حکومت برطانیہ سے ملک کی اندرونی حفاظت کرائی جائے۔ اور وہ ہندو راج کیلئے پولیس کا کام دے؟ پھر اس کا نتیجہ یہ ہو کہ آپ گو رفتہ رفتہ مگر یقینی طور پر شمشیر برطانیہ کے زور و بل کی مدد سے مسلمانوں کا گلا گھونٹیں اور حبس الدم سے مار ڈالیں؟ کیا یہ ہے آپکی تمنا؟ (سنیئے سنیئے) آپ اور آپکے لیڈر مجھے بتائیں کہ کیا آپ یہ تصور کر سکتے ہیں کہ قوم برطانیہ یہاں تک ذلیل اور بے عزت ہو جائیگی کہ وہ محض ہندو راج کی حفاظت کیلئے اور مسلمانوں کا گلا دبانے کیلئے بطور پولیس یہاں رہے گی اور اپنی شمشیر کے

زور کو اس کام میں لائے گی؟ اگر یہ بات نہیں تو پھر آپ چاہتے کیا ہیں؟ ہاں یہ ہے میرا سوال اگر آپ امن و امان کے طلبگار ہیں تو براہ کرم میری تجویزوں کا امتحان دیانتداری کے ساتھ کیجئے اور رو و رعایت روا نہ رکھیئے۔ فقرہ بازیوں اور حیلوں اور پُر فریب نمائشی باتوں کو ترک کیجئے۔ اِن اطوار سے آپ کبھی کامیاب نہ ہونگے۔ آئیے اس پر ٹھنڈے دل سے غور کریں یا جذبات کو راہ نہ دیں اور واقعی کام کرنے والے اشخاص کی طرح اس معاملہ کو تاریخ کی روشنی میں دیکھیں اور مختلف ممالک کے اندر مروّجہ آئین سے استفادہ کریں۔ اگر آپ یہ طریق عمل اختیار کرینگے تو مجھے یقین ہے کہ تقسیم ہند نہ صرف مسلمانوں کے حق میں بہترین ثابت ہو گی۔ بلکہ یہ شے خود اہل ہنود اور والیان ریاستہائے ہند اور برطانیہ کے اغراض کیلئے بیحد مفید پائی جائیگی۔

مَیں قریب قریب اُن تمام دلائل کا امتحان کر چکا ہوں جو اس وقت تک پیش کئے جا چکے ہیں۔ اگر ہم تقسیم پر رضامند ہو جائینگے۔ اور مجھے یقین کامل ہے کہ بروئے دلائل اس کی پوری تائید ہوتی ہے۔ تو مسلمان اور ہندو بطور ہمسایہ و دوست بڑی صلح اور آشتی کے ساتھ اس مُلک میں زندگی بسر کرینگے۔ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں اور یہ حقیقت بالکل ظاہر ہے کہ اسلامی ہند اس ملک کی سرحدوں کا محافظ ثابت ہوگا۔ کیا آپ ایک لمحہ کیلئے بھی خیال کر سکتے ہیں کہ افغانستان اپنے لئے ایران کی حکومت تسلیم کریگا۔ یا افغانستان اور ایران دونو اپنے ملک میں ٹرکی کی بادشاہت تسلیم کر لینگے؟ کیا آپ ایک لمحہ کیلئے بھی تصوّر کر سکتے ہیں کہ عرب جیسے چھوٹے سے برّاعظم میں جہاں یمن، سعودی عرب، عراق وغیرہ کتنی ہی خود مختار مملکتیں ہیں۔ کوئی آزاد حکُومت اپنی آزادی اور حقوق شاہی سے کسی دوسرے کے حق میں دست بردار ہو جائیگی؟ جب یہ نہیں ہو سکتا۔ تو پھر آپ یہ بات کیوں فرض

کر لیتے ہیں کہ جب مسلمان اپنی آزاد خود مختار شاہی حکومت مثلاً شمال مغربی منطقے میں قائم کر لینگے تو وہ کسی غیر حکومت کو اس امر کی دعوت دینگے کہ آئیے اور ہم پر حکومت کیجئے۔ کیونکہ جب تک آپ ہماری مملکت کے بادشاہ نہ بنیں گے۔ آپ ہندوؤں کے ہندوستان پر قابض نہ ہو سکیں گے۔ پس میں کہونگا کہ جہانتک شمال مغربی سرحد کو دخل ہے مسلمان اسلامی ہند اس کی حفاظت کریگا۔ اور اسی طرح مجھے امید ہے کہ جنوبی اور مغربی ہند کی حفاظت ہندو کرینگے (نعرۂ تحسین) ہم اور آپ بطور دوست و ہمسایہ ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد و اتفاق سے رہینگے اور دُنیا سے کہینگے کہ "ہندوستان سے دُور ہی دُور رہیئے۔ اِدھر ہاتھ نہ پھیلائیے (نعرۂ تحسین) مَیں کہتا ہُوں کہ تاریخ ہند کے اس وقتِ نازک میں یہ ایک مفید اور ڈھب کا موقع ہے۔ اگر ہم نے اسے کھو دیا تو عین ممکن ہے کہ پھر ہمیں مدتوں تک حاصل نہ ہو۔ آئیے ہم دادِ عمل دیں اور کارکن لوگوں کی طرح باہمی تعاون کے ساتھ واقعات سے عہدہ برآ ہوں اور اس مسئلہ کے حل کیلئے تجویز پاکستان کا طریق اختیار کریں۔ لوگوں کو دھمکیاں دینے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اور نہ یہ کہنا سُود مند ہوگا کہ بعض آدمی لفظ پاکستان کا غلط استعمال کرتے ہیں (نعرۂ تحسین) اس ملک کا ہر ذی فہم انسان۔ پاکستان کے معانی اور مفہوم بخوبی سمجھتا ہے۔ اور اگر کوئی بدخواہ چاہتا ہے کہ خرابی پیدا کرے تو خدا ہی اُسے روکے تو رُکے۔ مَیں اُسے بند نہیں کر سکتا۔ ہر دیانتدار اور ہوشمند شخص بشرطیکہ وہ دیانتدار ہو اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ جب ہم پاکستان زبان پر لاتے ہیں تو اسکے کیا معنی لیتے ہیں۔ ہاں پاکستان کہئیے یا قرار داد لاہور۔ مطلب ایک ہی ہے۔ (نعرۂ تحسین)

خواتین و حضرات! اب مجھے ایک اَور بات کو توجہ دینا ہے جو سِکھوں کے فرقے سے متعلّق ہے۔ اس بات کو سمجھنا کسی حد تک مشکل ہے کہ ہمارے سِکھ بھائی اپنے دل میں خوف

دہراس اور اضطراب کو کیوں جگہ دیتے ہیں۔ میں اُن سے عرض کرتا ہُوں کہ آپ اس تجویز کا امتحان ٹھنڈے دل سے اور بڑی احتیاط و غور کے ساتھ کریں۔ وہ دیکھیں گے کہ قرارداد لاہور میں اُن کی حالت اور حیثیت اُس درجہ اور مقام سے کہیں بہتر ہوگی جو انہیں ایک متحدہ ہند کے اجتماعی (فیڈرل) آئین کی صورت میں حاصل ہوگا۔ پہلے تو آپ یہی دیکھیں کہ پاکستان کی تشکیل کے سبب سکھ ایک نہایت اہم فرقہ تسلیم کئے جائیں گے اور اس حیثیت میں وہ پنجاب کے معاملاتِ ملکی میں بہت بڑا اور مؤثر حصّہ لیں گے خاص کر اس مجلس قانون ساز میں جو پنجاب کیلئے بطور ایک جزو پاکستان۔ مرتّب کی جائیگی۔ کیا یہ حقائق بالکل ظاہر نہیں؟ اس کے مقابلہ میں سکھوں کا درجہ اور مقام ایک فیڈرل آئین میں کیا ہوگا؟ اسکی حیثیت ایک سمندر میں قطرے کے برابر ہوگی۔ (نعرۂ تحسین) یہی کیفیت آج بھی نظر آرہی ہے۔ اگر سکھ میری آواز سنیں تو میں کہونگا کہ پنجاب کی موجودہ مجلسِ قانون ساز میں بھی اُن کا اثر ورسُوخ نہیں۔ وہ کسی شمار میں نہیں۔ ایک سو آدمیوں میں سے ایک تن تنہا کیا کرسکتا ہے؟ پھر جب تین سو پچاس ممبر ہونگے تو دو تین ممبروں کی کیا ہستی؟ متحدہ ہند کی تشکیل کی صورت میں سکھوں پر وہی سمندر اور قطرے کی مثال صادق آئے گی۔

اے میرے سکھ بھائیو! آپ اس اٹل امر واقعہ سے راہ فرار اختیار نہیں کر سکتے کہ آپ پنجاب میں ایک اقلیت میں ہیں اور اسی حیثیت میں رہیں گے۔ آپ جھگڑوں دھمکیوں اور خوفزدہ کرنے کی کوششوں کے ذریعے اُس بُنیادی حقیقت کو نہیں بدل سکتے کہ اس منطقہ میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے (نعرۂ مسرّت) میں اپنے سکھ بھائیوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ اگر میں آپ کے خوف دہراس کی صحت پر یقین کر دوں تو اسکی رُو سے میری حالت اپنے احاطۂ بمبئی میں آپ سے بھی سو گنا بدتر ہوگی۔ وہاں مسلمان بقدر آٹھ فی صدی ہیں اور

باقی قریباً نوّے فی صدی ہندو۔ حالانکہ پنجاب میں سکھ تیرہ فیصدی ہیں اور ساتھ ہی ایک اور فرقہ موجود ہے یعنی اہل ہنود جو اٹھائیس فیصدی ہیں۔ پس میں کہتا ہوں کہ آپ پنجاب میں میری نسبت کہیں بہتر ہونگے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا میں اس حقیقت سے خوفزدہ ہوں ؟ (نعرۂ تحسین) چنانچہ میں آپ سے کہونگا کہ واقعات کے موافق اور مخالف تمام دلائل کا پورا پورا امتحان لیں۔

خواتین اور حضرات! اب ایک اور چیز باقی ہے۔ سُنیئے۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ آج تک کوئی فیڈرل آئین مرتّب نہیں کیا گیا۔ جس پر پہلے اُن تمام اجزاء اور حصص کو رضامند نہ کرلیا گیا ہو۔ جن کی شمولیت درکار ہے۔ اور یہ اکائیاں کامل آزادی اور خاطر جمعی سے شامل نہ ہوں۔ اسلامیان ہند کے لئے یہی ایک حل ہے جو آزمائش تجربہ اور وقت کی کسوٹی پر پورا اُترتا ہے کہ ہندوستان تقسیم کردیا جائے تاکہ دونو فرقے اقتصادی، معاشرتی، سیاسی اور تمدّنی لحاظ سے اپنی اپنی قومی روایات اور خدائی عطیات کے مطابق نشوونما پائیں۔ ہماری جدّوجہد کا ایک منشا اُن مفید مواقع کا حصول ہے جو ان اُمور کیلئے ضروری ہیں اور دُوسرا یہ کہ مسلمان اپنے قومی ارادوں کو جامۂ عمل پہنا سکیں۔ یہ زندگی اور موت کا معرکہ ہے۔ اور ہماری کوشش صرف اس لئے نہیں کہ مادی فوائد حاصل ہوں۔ بلکہ ہم تو مسلمانوں کی بقائے رُوح کے لئے بھی لڑ رہے ہیں۔ چنانچہ میں بار بار کہتا چلا آیا ہوں کہ یہ معاملہ مسلمانوں کے لئے حیات وممات کا مسئلہ ہے اور اِسے سودا بازی سے کوئی واسطہ نہیں۔ مسلمانوں کو اس حقیقت کا پُورا پُورا احساس ہوچکا ہے۔ اگر ہم شکست کھائیں گے تو سب کچھ کھو بیٹھیں گے۔ آئیے ہم اہل ہالینڈ کی اس ضرب المثل کو اپنا مقولہ ٹھیرائیں :-

جب آدمی روپیہ کھو دے تو کچھ نہیں کھوتا۔
اگر حوصلہ کھو یا جائے، تو بہت کچھ کھو دیتا ہے۔
آبرو کھوئی جائے، تو قریباً سب کچھ کھو یا جاتا ہے۔
لیکن رُوح کھوئی گئی، تو سب کچھ ہی کھو یا گیا۔

(بلند نعرہ ہائے تحسین)

قائد اعظم

کا

وہ فی البدیہہ خطبہ جو آپ نے "آل انڈیا مسلم لیگ" کے اجلاسِ مدراس

منعقدہ اپریل ۱۹۴۱ء میں ارشاد فرمایا۔

" یہ تقریر بعض خاص حالات میں کی گئی۔ بمبئی سے مدراس کے سفر میں تکان کے سبب مسٹر جناح کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ اسمیں جنوبی ہند کی سخت گرمی نے اضافہ کیا۔ چنانچہ اجلاس کے پہلے روز وہ تقریر نہ کر سکے۔ اگلے روز اگرچہ آپ ابھی کمزور تھے۔ آپ نے قوتِ ارادی سے اتنی طاقت بحال کر لی کہ دو گھنٹے لگا تار تقریر کر سکے۔ اور سننے والے تعجب کرنے لگے۔ ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں یہ تقریر بڑی اہم متصور ہو گی اور قارئین تسلیم کرینگے کہ کسی قادر الکلام مُدبّر نے سیاست دانی کی داد دی ہے جو اپنے دلائل کی درستی سے کامل آگہی رکھتا ہے۔ اُسے علم ہے کہ ملّت کی ضرورتیں کیا ہیں اور اسلامیانِ ہند کیا چاہتے ہیں۔ نیز یہ کہ ہماری قوم کس طرح سے دشمنوں کی دھمکیوں اور گالیوں اور تحریص و ترغیب سے عہدہ برآ ہو سکتی ہے۔ قائد اعظم نے ان تمام امُور پر کمال صفائی اور صاف گوئی سے بحث کی۔ کسی سے خوفزدہ نہ ہُوئے۔ اور زورِ فصاحت و بلاغت کو کام میں لا کر دوست، دشمن سے اپنے تدبّر کا لوہا منوا لیا۔ اسے ایک ہمہ گیر تقریر کہنا عین واجب ہے۔ کیونکہ اس میں نہ صرف ہندوستان کے حالات سے بحث کی گئی ہے بلکہ آج جس حالت میں سے دُنیا

گزر رہی ہے۔ اُسے بھی مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ قائدِ اعظم نے کچھ اس طرح سے لیگ کے نصب العین حکمت عملی اور منزل مقصود پر روشنی ڈالی کہ اب کوئی شخص یہ بہانہ نہیں بنا سکتا کہ ہماری سمجھ لیگ کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ آپ نے یہ امور بھی کھول کر بیان کر دئیے کہ لیگ[۱] نے گزشتہ پانچ سال میں کیا کام کیئے۔ لیگ[۲] کی حکمت عملی اور موجودہ جنگ کے متعلق تصورات کیا ہیں۔ لیگ[۳] نے آئندہ پانچ برس میں اپنی کوششوں کیلیئے کیا لائحہ عمل مرتب کیا ہے۔

ان کے علاوہ قائدِ اعظم نے حکومت برطانیہ، کانگرس، مہا سبھا، اور کانگرس کی تازہ ترین شاخ سپرو کانفرنس میں سے ہر ایک کی حکمت عملی پر اپنی نکتہ شناسی کی داد دی اور نکتہ چینی کی اور بتایا کہ یہ تمام فریق اپنے اپنے مطلب کیلیئے کیا کیا حیلے اور ترکیبیں اختیار کر رہے ہیں۔ اس تقریر میں ایک اَور نہایت اہم مگر سیاست ہند کی دُنیا میں بہت کمیاب چیز کی مثال بھی ملتی ہے یعنی مسٹر جناح "صرف وہی بات زبان پر لاتے ہیں۔ جس پر وُہ حقیقت میں عمل کرنا چاہتے ہیں۔ پھر عمل بھی اُس چیز پر کرتے ہیں۔ جسے زبان سے کہہ چکے ہیں" ہمارے قائدِ اعظم کے دل و دماغ میں قول و فعل کے تضاد کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ اس تقریر میں کمزور جذبات۔ بےمعنی لفاظی اور بیکار تفاخر کے ساتھ نصیحت گوئی کا نام و نشان تک نہیں۔ یہ تقریر اس نکتہ بینی اور حق شناسی کا ثبوت مہیا کرتی ہے کہ جب مسٹر جناح کچھ کہتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے پیرؤوں کی خوبیوں اور خامیوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اس سے اس امر کا پتہ بھی ملتا ہے کہ قومِ اسلام کیا چاہتی ہے۔ کس زور سے چاہتی ہے۔ اس کی تحصیل کے لئے کہاں تک کوشش و کاہش کے لئے تیار ہے۔ اور کس حد تک راسخ الارادہ ہے۔ ایک لاکھ بندگانِ خدا

نے یہ تقریر سُنی۔ سب کے دلوں میں رُوحِ حیات تازہ ہوگئی۔ قائدِاعظم کے الفاظ
نے مُسلمانوں کے اشتیاقِ ترقی کو اس طرح گرمایا کہ انشاء اللہ اُن کی سرگرمیوں اور
کارکردگیوں سے مستقل نتائج منضبط ہونگے۔ تقریر برق بار تھی مگر حقائق و معارف
نہایت درجہ سنجیدہ اور سفارشیں کامل طور پر قابلِ عمل۔"

اب تقریر ملاحظہ ہو۔

جہاں تک مجھ سے ممکن ہے مَیں پوری وضاحت کے ساتھ آپ کو بتاتا ہُوں کہ
مُسلم لیگ کی منزلِ مقصود کیا ہے؟ ہم ہندوستان کے شمال مغربی نیز مشرقی منطقوں
میں مُسلمانوں کی آزاد مملکتیں یا ریاستیں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جو حفاظت اور دفاع۔
اُمورِ خارجہ۔ وسائل آمد و رفت۔ محصولاتِ بحری وغیرہ۔ سکّہ۔ تبادلہ و تجارت وغیرہ
سب پر کامل اختیار رکھتی ہوں۔ ہم کسی صُورت میں بھی سارے ہندوستان کیلئے ایک
آئین اور مرکز میں ایک حکومت قبول نہیں کرینگے۔ ہم اس پر کبھی رضامند نہ ہوں گے۔
اور اگر ہُوئے تو مسلمانو! خوب سمجھ لو کہ تمہاری ہستی قطعاً مٹ جائیگی۔ جہاں تک ہمارے
قومی اور آزاد وطن یعنی شمال مغربی منطقہ اور مشرقی منطقہ کو دخل ہے ہم کبھی کسی حکومت
یا شاہی ریاست کے باج گزار نہ بنیں گے۔

" ان الفاظ کے ساتھ مسٹر جناح پریذیڈنٹ نے آل انڈیا مسلم لیگ کانفرنس کے
اٹھائیسویں اجلاس میں لیگ کی منزلِ مقصود کی تشریح و توضیح کی۔ وہ دو گھنٹے تک
فی البدیہہ تقریر کرتے رہے کیونکہ ان کو بسبب ناسازیٔ طبع کسی رسمی خطبہ کی تیاری کا
موقع نہ مِلا تھا۔ آغازِ تقریر سے پہلے اُنہوں نے اُن لوگوں کا شکریہ ادا کیا۔ جنہوں
نے ٹیلیفون، تار یا خطوط کے ذریعے مزاج پُرسی کی تھی اور اس امر کی معذرت

کی کہ میں انفرادی طور پر ادائے شکریہ سے قاصر ہوں۔ قائد اعظم نے فرمایا کہ :-
سب سے پہلے مجھے یہ کہنا ہے کہ لیگ کے اجلاس بمبئی سے چل کر جبکہ لیگ کا احیائے عمل میں آیا۔ آج تک گزشتہ پانچ سال کی مدت میں لیگ کی اندرونی ترقی اور نشوونما کی کیا کیفیت رہی۔ ہم لیگ کی ان کوششوں کو اگر ایک "پنج سالہ لائحہ عمل" کہیں تو حقیقت سے کچھ دور نہ ہونگے۔ ہم ایک معقول حد تک لیگ کی تنظیم میں کامیاب ہوئے ہیں اور ملک کے ایک سرے سے لیکر دوسرے تک یہ کام بخوبی ہوا ہے۔
سلطنت مغلیہ کے تنزل سے لیکر آج تک مسلمانان ہند کبھی اتنے تنظیم یافتہ سیاسی لحاظ سے بیدار اور زندہ اور پُرشعور نہیں ہوئے۔ جتنے کہ اس وقت ہیں۔ (نعرۂ تحسین) مسلمانوں نے ایک قومی عَلم کھڑا کیا ہے اور ایک پلیٹ فارم قائم کیا ہے (یعنی اپنی عملیت کیلئے ایک مشترکہ منصوبہ باندھا ہے) جن دو چیزوں سے اُن کے کامل اتحاد کا اظہار ہوتا اور ثبوت ملتا ہے انہوں نے اپنی منزل مقصود کی تعیین کر دی ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ اندھیرے میں اسی چیز کو ڈھونڈتے تھے اور نہ پاتے تھے۔ یہ منزل مقصود کیا ہے ؟ پاکستان۔ (نعرۂ تحسین) اس ضمن میں جو کچھ مسلمانانِ جنوبی ہند نے کیا۔ میں اُسے قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ اس صوبے کے مسلمانوں کو بہت سی مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ میں اس دوران میں مسلمانان مدراس کی کوششوں کے متعلق معلومات حاصل کرتا رہا ہوں کہ کس طرح صوبے کے جملہ اضلاع میں کارکنان لیگ نے مجالس لیگ کو منظم کیا۔ اور اسکی عمارت کو بنیاد سے بلندی کی طرف تعمیر کرتے گئے نہ کہ چوٹی سے نیچے کی جانب۔ صرف ایک سال کا عرصہ ہوا کہ یہ ترقی بنیاد سے چوٹی تک مکمل ہوئی۔ اور صوبے کے عرض و طول میں مسلمانوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا ہو گئی۔ دیانتداری کے

ساتھ میرا یہ یقین ہے کہ صوبہ مدراس کے اندر سات فیصدی مسلمانوں نے لیگ کے جھنڈے کے سایہ میں اپنی تنظیم ایسی خوبی اور تکمیل کے ساتھ کی ہے کہ دوسرے صوبوں میں اس کی مثال نظر نہیں آتی۔ یہ گویا ایک پنج سالہ لائحہ عمل کا نتیجہ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آئندہ کیا کیا جائے۔ ہم نے نہ صرف سارے ملک میں لیگ کا وقار بڑھا دیا ہے بلکہ اسے دُنیا بھر میں پہنچا دیا ہے۔ ہم جو کچھ کرتے ہیں۔ ساری دُنیا اِسے غور سے دیکھتی ہے۔ ہاں، تو آئندہ کیا کرنا چاہیئے۔ ہمارے لئے یہ ایک نازک وقت ہے اور کئی قسم کے اثرات اور قوتیں ہندوستان کے اندر اور باہر مصروف عمل ہیں۔ کوئی شخص سخت محنت کئے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ آج مسلمانوں کو اور بالخصوص اُن مندوبین کو جو یہاں جمع ہیں قطعی طور پر لازم ہے کہ وہ زمانۂ مستقبل پر خوب سوچیں اور ایک جدید "پنج سالہ لائحہ عمل" مرتب کریں۔ اور اس میں اس امر کا فیصلہ کریں کہ ہم اسلامی ہند کی قومی زندگی کو اس کے مختلف شعبوں میں کس طرح اور پھر کس عجلت کے ساتھ تعمیر کر سکتے ہیں۔ یہ شعبے چہار گانہ ہیں اور ہماری عمارت کو قائم رکھنے کیلئے یہی چار ستُون ہیں۔ سب سے پہلا شعبہ تعلیم ہے اور یہ ہمارا فرض ہے کہ پُورے غور و خوض کے بعد ایک پنج سالہ تعلیمی پروگرام مرتّب کریں۔ علم اور علم سے پیدا ہونے والی روشن ضمیری سے ہی کوئی قوم بزرگ و برتر بن سکتی ہے۔

ہم اپنے اس عظیم الشان وطن میں دوسری اقوام کی نسبت اقتصادی اور معاشرتی ترقّی کے لحاظ سے قطعاً پسماندہ رہے ہیں۔ صرف دو صنعتیں ایسی ہیں کہ ان میں مسلمانوں نے اپنے لئے کوئی جگہ بنائی ہے۔ یعنی کھالوں اور چمڑے کا کاروبار یا بیڑی بنانا۔ کیا آپ صرف بیڑی والا اور چمڑے والا ہی رہنا چاہتے ہیں؟ یا اپنے ملک کے صنعتی اور تجارتی نشوونما میں دادِ عمل دینا پسند کرتے ہیں۔

ایک اور شعبہ بھی کچھ کم اہم نہیں۔ یہ مسلمانوں کی سیاسی تعلیم و تربیت پر مشتمل ہے۔ اگرچہ اس لحاظ سے تو مسلمانوں نے معقول ترقی کی ہے کہ وہ اپنے لاکھوں بھائیوں کو لیگ کے جھنڈے تلے لے آئے ہیں۔ مسلمانوں کو سیاسی شعور حاصل ہو گیا ہے اور اُن کے نصب العین نے بلندی پائی ہے۔ نیز ان کو من حیث القوم وضعداری، خود اعتمادی، وقار، معقولیت اور عزت نفس مل گئی ہے۔ وہ یہ بھی دیکھنے لگے ہیں کہ ہم سیاسی نقطۂ نگاہ سے جوش و ولولہ کے سرمایہ دار بن گئے ہیں اور اس کے طفیل اپنی سیاسی بیداری کو قوت بخش سکیں گے۔ اور تمام سیاسی کوششوں کو ایک مرکز پر مرتکز اور جمع کر کے رہیں گے۔ پھر اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہم اپنی منزل مقصود کو پالیں گے۔ مگر مَیں سمجھتا ہوں کہ ہر ایک مسلمان جو لیگ کی فوج میں بھرتی ہو۔ ایک سپاہی کی طرح تعلیم و تربیت حاصل کرے۔ اور اعلیٰ درجے کا سیاسی سپاہی بن جائے۔ یہی کیفیت عامتہ المسلمین کی ہو۔ اس عسکر سیاسی میں افسر بھی لازمی طور پر ہوں کیونکہ افسروں کے بغیر لشکر کے سپاہیوں کی اچھی طرح رہنمائی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ لفٹیننٹ، کپتان۔ میجر۔ کرنل اور جنرل وغیرہ سب کا ہونا ضروری ہے مَیں نے یہ تشبیہہ آپ کے دلوں پر اس حقیقت کے نقش کرنے کے لئے دی ہے کہ جو کام ہمیں کرنا ہے۔ اسکی نوعیت کا یہی تقاضا ہے۔ اور سیاسی شطرنج کی بساط پر ہمارے مہروں کی اگلی چال یہی چاہتی ہے۔ خوب یاد رکھئے کہ ہمارا سب سے بڑا کام جو اس وقت ہمیں درپیش ہے یہ ہے کہ ہم نہ صرف اس مُلک کی سیاسیات۔ سیاسی زبان اور سیاسی طریق کار کے متعلق تربیت یافتہ ہوں۔ بلکہ اس معاملہ میں ساری دُنیا کے کوائف سے کامل طور پر آگاہ ہوں تاکہ ہر قسم کی ناگہانی ضرورتوں سے عہدہ برآہ ہو سکیں (کیونکہ اس امر کی نسبت کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کونسی حاجت کس وقت اور کہاں سر اٹھائیگی اور اس سے نپٹنا لازم ہو گا)۔

اس کے بعد مجھے یہ سوال پیش کرنا ہے کہ ہماری منزل مقصود کیا ہے۔ ہمیں لازم ہے کہ اسکی تشریح و توضیح اس قدر صحیح ہو کہ اس کے سمجھنے میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ ایسے بہت سے لوگ موجود ہیں جو اسے یا تو سمجھتے نہیں یا جو کچھ سمجھتے ہیں وہ غلط ہوتا ہے۔ یا سمجھنا چاہتے ہی نہیں۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ مسلمانوں میں اس قسم کے ناواقف یا نادان لوگ نہیں ہیں۔ مجھے یہ حالت دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ مَیں اس کی ایک دو مثالیں آگے چل کر دونگا۔ کہ کس طرح ہمارے فیصلوں اور قراردادوں کے غلط معنے لیئے جاتے ہیں۔ اور دُنیا کے سامنے وہی غلط معنے پیش کئے جاتے ہیں۔ مَیں اس وقت مسلمانوں کی منزل مقصود کے متعلق پوری وضاحت کر دیتا ہوں تاکہ کسی ذی فہم ہندوستانی کے دل میں خواہ وہ کسی فرقہ کا آدمی کیوں نہ ہو کسی قسم کی غلط فہمی باقی نہ رہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی حکمت عملی اور اس کے تصورات، حصول کمال اور منزلِ مقصُود کیا ہیں؟ مَیں اس کا جواب جہاں تک مجھ سے ہو سکتا ہے پُوری صفائی سے دیتا ہوں۔ سُنیئے۔ ہم ہندوستان کے شمال مغربی نیز مشرقی منطقوں میں مسلمانوں کی آزاد مملکتیں یا ریاستیں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جو حفاظت اور دفاع۔ امورِ خارجہ۔ وسائل آمد و رفت۔ محصولاتِ بحری وغیرہ سکّہ۔ تبادلہ و تجارت وغیرہ سب پر کامل اختیار رکھتی ہوں۔ ہم کسی صُورت میں بھی سارے ہندوستان کے لئے ایک آئین اور مرکز میں ایک حکومت قبول نہیں کرینگے۔ ہم اس پر کبھی رضامند نہ ہونگے۔ اور اگر ہوئے تو مسلمانو خوب سمجھ لو کہ تمہاری ہستی قطعاً مٹ جائیگی۔ جہاں تک ہمارے قومی اور آزاد وطن یعنی شمال مغربی منطقہ اور مشرقی منطقہ کو دخل ہے۔ ہم کبھی کسی حکومت یا شاہی ریاست کے باج گزار نہ بنیں گے۔

اہل ہنُود کے ہندوستان کے مدبرین کو بیوقوف بنایا گیا ہے۔ برطانوی حکومت کی مُلکی

تدابیر اور حاکمانہ حکمت عملی سے ہندو لیڈر دھوکا کھا گئے ہیں۔ ان لوگوں نے دیکھا کہ ان کے سامنے متحدہ ہند کیلئے ایک آئین اور جمہوریت کا طریق کار لٹک رہا ہے اور جب موقعہ آئے گا ہمیں یہ دونو چیزیں ضرور مل جائینگی۔ مگر در اصل برطانوی حکومت کی اس تحریص و ترغیب اور ہندو مدبرین کی اس ہوس اور امید پر وہی مثال صادق آتی ہے کہ گدھوں کے آگے دو گاجریں رکھی ہیں جن کا کھانا انہیں نصیب نہ ہوگا۔ برطانوی حکومت اس حقیقت سے کماحقہ، آگاہ ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ ہندو لیڈروں کو بھی اس کی صحت کا مان لینا لازم ہے کہ اسلامی ہند کبھی ایک مرکزی حکومت اور سارے ہندوستان کے لئے ایک آئین کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کریگا۔ اگر ہندو لیڈروں کو اب بھی ان حقائق کی صحت کا احساس نہ ہوگا تو اس کے یہ معنے ہونگے کہ وہ تدبیر ملکی کے علم و فن میں قطعی طور پر جاہل ہیں اور جو کچھ اس کے متعلق انہیں حاصل تھا۔ اُس سے یقیناً بے بہرہ ہو گئے ہیں۔ برطانوی مدبرین خوب جانتے ہیں کہ اس ملک کے اندر اس نام نہاد جمہوریت اور پارلیمانی طریق حکومت کی حیثیت ایک مضحکہ انگیز چیز ہے اور بس۔ ان امور کو اس بات سے کوئی واسطہ نہیں (جیسا کہ بعض غلطی سے کہتے ہیں) کہ مسلمانوں کو ایسی حکومت پر اعتراض ہے۔ جسکی بنیاد نوعِ انسان کی ایک برادری پر رکھی گئی ہے۔ ان لوگوں کو یہ علم ہی نہیں۔ کہ جب وہ جمہوریت یا اسلام کے متعلق باتیں کرتے ہیں تو کہتے کیا ہیں۔ (وہ اپنے موضوع گفتگو کی نسبت اُمورِ واقعہ سے بالکل ناآشنا ہیں۔)

پہلے یہ دیکھیں کہ جمہوریت کے معنی ہیں اکثریت کی حکومت۔ اگر کسی ملک میں ایک ہی قوم بستی ہو۔ اور ساری سماج کا نظام ایک ہی طرز پر ہو تو اکثریت کی حکومت کی کامیابی کا امکان سمجھ میں آ سکتا ہے۔ حالانکہ ایک قوم کی صُورت میں بھی ہمیں تو یہ طرز ہمیشہ

ناکام ہی نظر آیا۔ اس طرح وہ حکومت جو لوگوں کے نمائندوں کے ذریعے سے کی جاتی ہے بشرطیکہ یہ لوگ ایک ہی یکرنگ اور ہم آہنگ قوم پر مشتمل ہوں سمجھ نہیں آسکتی ہے۔ لیکن اگر اس کے متعلق درست نتائج پر پہنچنے کیلئے ذہن کو ذرا کام میں لایا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ اُس صورت میں ایسا نظام حکومت نہ چل سکتا ہے نہ کامیاب ہو سکتا ہے جب کہ ایک ہی ملک میں دو قومیں آباد ہوں۔ بلکہ یوں کہیئے کہ دو سے زیادہ قومیں آباد ہوں۔ پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ ہمارے ہندوستان میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی دو مختلف سماجیں ہیں اور ایسی مختلف کہ ان کے اختلاف کو کامل اختلاف کہنا چاہیئے۔

مدراس کے صوبے میں ان دو اقوام کے ہمراہ ایک تیسری قوم دراویدیوں کی ہے۔ بلکہ یہ منطقہ ارض حقیقت میں ان ہی کی ملکیت ہے۔ ذرا تخیل کو کام میں لائیے اور حیرت سے دیکھئے کہ کس طرح بلند ذات برہمنوں نے جو ساری آبادی کے صرف تین فی صدی ہیں مگر جن کو انتخابات کے ڈھنگ میں کمال حاصل ہے اور سیاسی جوڑ توڑ میں فن کار ہیں۔ اکثریت حاصل کر لی۔ اب آپ بتائیے کہ یہ جمہوریت ہے یا جمہوریت کی ایک مضحکہ انگیز نقل۔ چنانچہ میں غیر برہمنوں کو اپنی کامل ہمدردی کے ساتھ امداد دینے کے لئے تیار ہوں اور اُن کو مخاطب کر کے یوں کہتا ہوں :-

"آپ کے لئے صرف ایک راستہ ہے اور وہ یہی ہے کہ آپ اپنی ملکیت پر جسے آپ کھو چکے ہیں از سر نو قابض ہو جائیں۔ اور اپنی زندگی اپنے ہی ذہنی اور اخلاقی تحصیلات اور تاریخ کے مطابق بسر کریں۔ اپنی ہی زبان استعمال کریں اور اپنے مقررہ نصب العین کی طرف قدم بڑھائیں۔ میں آپ کے ساتھ پوری ہمدردی رکھتا ہوں اور دراودستان بنانے میں آپ کی ہر ممکن امداد کرنے کیلئے حاضر ہوں۔ اور سات فی صدی مسلمان بھی آپکی طرف

دوستی کا ہاتھ بڑھائیں گے اور آپ کے حق میں امانت ودیانت اور مساوات وانصاف کام میں لائیں گے۔"

اس کے بعد قائد اعظم نے اقلیتوں کیلئے تحفظات کی ضرورت پر بحث کی اور ان کا مہیا کیا جانا لازم ٹھیرایا اور فرمایا کہ:-

میرا ہمیشہ یہ یقین رہا ہے اور میرا خیال ہے کہ مَیں راستی پر ہُوں کہ کوئی حکومت کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ تاوقتیکہ وہ اقلیتوں کے دلوں میں احساس سلامتی و اعتبار پیدا کرے۔ اگر حکومت کی حکمت عملی اور پروگرام اقلیتوں کے حق میں نامنصفی، بددیانتی اور ظلم پر مبنی ہوگا تو بھی کامیابی نہ ہوگی۔ اس کا فیصلہ کن امتحان یہ ہے کہ نمائندگان عامہ کی حکومت کے ماتحت اقلیتوں کو اس امر کا احساس ہو کہ اُن سے ہمیشہ دیانتداری اور انصاف کے ساتھ سلوک کیا جائے گا۔

ان سب باتوں میں ہم مُسلمان دُنیا کی کسی مہذب حکومت سے پیچھے نہ ہونگے۔ مجھے یقین ہے کہ جب وقت آئیگا تو ہمارے وطن کے منطقوں میں آباد اقلیتیں دیکھیں گی کہ ہمارے مُسلمان حاکم نہ صرف منصف ہیں بلکہ فیاض بھی۔ اور کیوں نہ ہو اسلام کی روایات ہی ایسی ہیں۔ اسلام یہی سکھاتا ہے اور اس نے اپنے پیروؤں کو ایسی ہی وراثت دی ہے۔ (نعرۂ تحسین) ہم مول تول میں جھگڑا کرنا نہیں جانتے۔ ہم سودا بازی سے ناآشنا ہیں۔ ہم کامیابی کے لئے ایسی باتوں کے معتقد نہیں۔ ہماری کامیابی کا انحصار ہے عملیت پر، تدبر اور عملی سیاسیات پر۔"

لیگ کے نصب العین، طریق کار اور تصورات ترقی کی نسبت مَیں اس سے پہلے کافی ووافی وضاحت کر چکا ہُوں۔ مگر ہمارے ملک میں ایسے لوگ اور بالخصوص ہندو

اخبارات موجود ہیں جنہیں بار بار یاد دلانا اور اُن کے ذہن کو تازہ کرنا لازم ہے۔ لیگ کے تصوّرات ترقی کی بُنیاد اس لازم و لابُد اصُول پر رکھی گئی ہے کہ "اسلامی ہند ایک آزاد قوم ہے"۔ اگر مسلمانوں کی قومیت اور مخصوص سیاسی وحدانیت اور اتحاد کو کسی اور قوم میں جذب کر دینے کی کوشش کی جائیگی تو نہ صرف اس کا سخت مقابلہ کیا جائیگا۔ بلکہ یہ قطعاً بیکار ثابت ہو گی۔ ہمارا یہ عزم صمیم ہے اور مَیں سب کو 'خبردار' کرتا ہُوں کہ اسے ایسا ہی سمجھنے میں کوئی غلطی نہ کی جائے کہ ہم اس برِ اعظم تحتی میں ایک آزاد اور خود مختار ریاست قائم کر کے اور ایک آزاد اور جدا قوم کی حیثیت حاصل کر کے دم لیں گے۔

لیگ کی حکمت عملی سُنیئے۔ ہم مسلمانوں کا مدّعا یہ ہے اور اس کے لئے ہم پُوری پوری کوشش کرینگے کہ ہندوستان کی مختلف اقوام میں ہم آہنگی پیدا ہو اور وہ ایک دُوسری کے حق میں زیادہ سے زیادہ نیک نیتی سے کام لیں۔ ہم اپنی کوشش کی بُنیاد مساوات۔ اور امانت و دیانت پر رکھیں گے۔ اور دیکھیں گے کہ جانبین اپنی اپنی جگہ لین دین کے پکّے ہیں اور اُنہیں معاوضہ و مبادلہ کا پُورا احساس ہے۔ اس کا بہترین وسیلہ یہ ہے کہ فرقے اور پارٹیاں اور ریاستیں آپس میں معاہدے کریں اور کہیں کہ ہمیں ایک دوسرے کے حقوق اور فرائض دونو چیزوں کا احساس ہے اور ہم ان کا احترام کرینگے۔ اگر کوئی فرقہ یا فریق یہ تمنّا رکھے کہ دوسروں پر فوقیت حاصل ہو تو اسکی غلطی ہے۔ اُسے لازم ہے جلد سے جلد اُسے دل سے نکال دے۔ بشرطیکہ ہندوستان کے مسئلوں کا حل درکار ہو۔

ایک اَور اہم سوال "سیاسی تعطّل" ہے۔ آیئے اس کا امتحان کریں اور دیکھیں کہ ذمّہ دار کون ہے۔ ہمارے مُلک میں ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ لوگ صاف گوئی کی ہمت

نہیں رکھتے۔ وہ دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم منصف مزاج ہیں۔ مگر جس فریق کی نسبت اُن کا اپنا یقین ہے کہ وہ غلطی میں ہے۔ اُسے بھی ملزم نہیں ٹھہراتے نہ یہ حقیقت زبان پر لاتے ہیں۔ اگر ایک پارٹی کسی دوسری پارٹی کو ملعون کرے تو یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ لیکن اس کی بھی ایک حد ہونی چاہئیے۔ آپ سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اعلان جنگ کے ساتھ ہی ہم لوگ متخاصمین میں سے ایک بنا دئیے گئے۔ یہ بات الگ ہے کہ ہم لڑنا پسند کرتے تھے یا نہیں۔ اس کے بعد واقعاتِ جنگ نے ہمیں کامل طور پر آگاہ کردیا کہ جنگی لحاظ سے ہمارے ملک کی فوری ضرورتیں کیا ہیں۔ ہمیں ملک کی حفاظت کیلئے کونسے استحکامات درکار ہیں اور اپنے گھروں کی سلامتی کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہئیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم ان امور کو پوری پوری توجہ دینے لگے۔ آغاز جنگ میں ہی ہم مسلمانوں نے اپنے منشا اور مدعا کا اظہار کردیا۔ صرف مَیں نے ہی نہ کہا۔ بلکہ لیگ کی مجلس عاملہ اور کونسل اور آل انڈیا مسلم لیگ کے مکمل اجلاس میں یہ بات دہرائی گئی۔

جنگ کے بعد۔ دوسری بری خبروں کے ساتھ وائسرائے نے یہ خوشخبری سُنائی کہ ملکِ معظم کی حکومت نے آل انڈیا فیڈریشن یا کُل ہند مرکزی اجتماعی حکومت کا قیام (ازروئے قانون ۱۹۳۵ء) معطل کردیا ہے۔ (نعرۂ مسرّت) ہم جانتے ہیں کہ ہمارے برطانوی دوستوں کو علم سیاست اور پھر شطرنجِ تدبر میں کتنی مہارت اور لیاقت حاصل ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ محض معطل کرنا کافی نہیں۔ ایسی حکومت کا قیام کسی نہ کسی وقت برابر عمل میں لایا جاسکتا ہے۔ پس ہم نے پہلا اور سب سے بڑا مطالبہ یہ کیا کہ مرکزی اجتماعی حکومت نہ صرف معطل کی جائے بلکہ اس کا ارادہ ہی ترک کیا جائے۔ اس پر طویل خط وکتابت ہوئی۔ ملاقاتیں کی گئیں۔ اور انجام کار حکومت نے اعلان کیا کہ ہندوستان کے آئینِ مستقبل کے مسئلہ پر اور ساتھ ہی اسکے حامل قانون حکومت

ہند ۱۹۳۵ئہ اول سے آخر تک از سرِ نو غور کیا جائیگا۔ اس سے ہمیں بلاشبہ کچھ تسکین ہوئی۔ کیونکہ اس قانون کے جس حصے پر مسلمان شروع سے ہی اعتراض کرتے تھے۔ یہی تھا۔ اس کے بعد ہم نے حکومت کے سامنے کونسا معاملہ رکھا۔ ہم ایک اور چیز سے خائف تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس وقت ہماری انتہائی کوششوں کے باوجود لیگ کو تنظیم کے لحاظ سے وہ قوت حاصل نہ تھی جیسی کہ کانگرس کو۔ مَیں آپ کو آگاہ کرتا ہُوں کہ کانگرس کی ہستی نہ اس سے بڑھ کر ہے نہ کم کہ اُسے ہندوؤں کی ایک ٹھوس اور طاقتور جماعت کی امداد حاصل ہے۔ اسکی دیگر تازہ شاخیں اس کے بچے۔ مثلاً ہندو مہاسبھا۔ آل انڈیا ہندو لیگ۔ لبرل فیڈریشن۔ اور چھوٹی چھوٹی جماعتیں۔ حقیقت میں ایک ہیں۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ وہ کانگرس کی تائید و تصدیق میں بالکل یک زبان اور ہم خیال ہیں اور کانگرس کے ہر کام کو پسند کرتی ہیں۔ مگر ہندوستان کے طول و عرض میں اگر کوئی ایک جماعت اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی نمائندگی کرتی ہے تو وہ کانگرس ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ منظم جماعت مدت سے اس بات کی منتظر تھی کہ یہ جنگ حادث ہو۔ یہانتک کہ آغاز جنگ سے ایک سال پہلے جب قیاس غالب تھا کہ جنگ چھڑنے کو ہے تو کانگرس کی مجلس عاملہ کئی دن تک متواتر دہلی میں بڑی ہوشیاری اور چوکسی کے ساتھ اس کی منتظر رہی۔ ان ایام میں کانگرسیوں نے صاف صاف کہا کہ یہ ہے وہ موقعہ جو عمر بھر میں ایک ہی بار آسکتا ہے۔ اور جب کہ ہم برطانوی حکومت کو اس امر پر مجبور کر سکتے ہیں اور اس میں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ ہماری راہ پر آجائیں۔ اور ہم جو چاہیں اُن سے چھین سکتے ہیں۔

ہم مسلمان جانتے تھے کہ یہ طاقتور جماعت ایک مُدت سے تاک لگائے بیٹھی ہے اور موقعہ کی منتظر ہے۔ پس ہم نے حکومت برطانیہ سے مطالبہ کیا کہ وہ آئین ہند کے متعلق صورت

حال کی توضیح وتشریح کر دیں نیز یہ کہ نہ صرف دوران جنگ میں عارضی طور پر بلکہ خاتمۂ جنگ پر آخری اور حتمی طور پر ایسا کوئی آئینی فیصلہ نہ کیا جائے جس کے متعلق پہلے اسلامیان ہند کی رضا ورغبت اور قبولیت حاصل نہ کی جائے۔ اب طویل خط وکتابت اور بہت سی ملاقاتوں کے بعد ہمارے سامنے وائسرائے کا اعلان مورخہ ۸ راگست اور اسکے متعلق مسٹر ایمری کا مفصّل اور مشرح بیان آیا ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ اس میں نو کروڑ مسلمانان ہند کے ساتھ محض اور فقط صرف انصاف کیا گیا ہے۔ جس میں رعایت کا نام ونشان تک نہیں۔

اگر ہندوؤں اور کانگرس والوں کو انصاف اور دیانت داری کا احساس ہے تو کیا وہ اس امر کا جواز ثابت کر سکتے ہیں کہ کانگرس اور برطانوی حکومت باہمی تعاون کے ساتھ اور اپنی پسند کے مطابق ہندوستان کیلئے ایک آئین وضع کریں اور اُسے مسلمانوں پر بھی عائد کر دیں نیز خود مُسلمان اسے قبول کریں۔

اس کے متعلق یہ دعوٰے کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی رضامندی حاصل کرنے کے یہ معنی ہونگے کہ اُنہیں حق استرداد دیا جارہا ہے۔ یعنی یہ اختیار کہ اگر مسلمان چاہیں تو ہر اُس آئین کو جسے کانگرس اور حکومت برطانیہ مل کر مرتب کریں، قبول نہ کریں اور اس طرح ناقابل عمل بنا دیں۔ گویا مسلمانوں کو حق استرداد اور مسٹر جناح کو سند مخالفت عطا کیجا رہی ہے۔ میں اسے ایک لمحہ کیلئے بھی حق استرداد (ویٹو) یا سندِ مخالفت ماننے کو تیار نہیں۔ پھر اس کے ساتھ ہی خود اُس دوسری تجویز کو بھی تو دیکھیں جو کانگرس پیش کر رہی ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں۔ کہ ہندوستان کیلئے ایک آئین بنایا جائے۔ مگر ایک مشمولہ عنصر یعنی اہل اسلام کی رضامندی کے بغیر۔

مَیں اس امر کی تکرار کرونگا کہ ہم مسلمان جو کچھ مانگتے ہیں۔ محض اور فقط مُنصفانہ ہے

اسمیں رعایت کو دخل نہیں۔ ہم صرف یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہماری ہستی بطور ایک مشمولہ عنصر تسلیم کی جائے (اور مان لیا جائے کہ یہ نو کروڑ بجائے خود کچھ حقیقت رکھتے ہیں۔ ہمیں نظرانداز نہ کیا جائے) چنانچہ برطانوی حکومت نے بجا طور پر کہا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو باہم رضامند ہونا چاہیئے۔ کانگرس ذرا یہ تو بتائے کہ برطانوی حکومت اگر صرف مسلم لیگ کے مشورے سے ایک آئین مرتب کرے تو وہ اُس سے بیزار ہوگی یا پسند کریگی؟

پچھلے سال ماہ جون میں کانگرس نے اجلاس بمبئی کی ایک قرارداد کے ذریعے جنگ کے متعلق اپنے رجحان طبع اور نقطۂ نگاہ سے حکومت کو آگاہ کیا تھا اور کہا تھا۔ کہ حکومت ان کے مطابق عمل پیرا ہو۔ حالانکہ اُن سے کوئی رائے طلب نہیں کیگئی تھی۔ اِس ضمن میں کانگرس نے یا کم سے کم بعض کانگرسیوں نے کہا کہ مسلمان شہنشاہیت پسند ہیں۔ اور مسٹر جناح جو پہلے قومیت پسند تھا اب محض ایک فرقہ دار بن گیا ہے۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کا رہنما بننا چاہتا ہے۔ (اُسے لیڈری کی ہوس ہے) مگر حقیقت یہ ہے کہ مَیں جب کبھی پبلک کے سامنے نئے خیالات اور آرائے کا اظہار کرتا ہُوں۔ تو بہت سے ہندو اخبارات ان کے متعلق اس قسم کے عنوانات اختراع کرتے ہیں یعنی "مسٹر جناح کی یاوہ گوئیاں اور گالیاں" "مسلم لیگ کا بیجا غیظ وغضب" وغیرہ میں حیران ہُوں کہ مَیں ایسے لوگوں سے کیونکر نپٹوں۔ جن کی ذہنیت بیمار ہوگئی ہے۔

اب مجھے آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کی قرارداد (جون ۱۹۴۰ئہ) کے متعلق جس کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا۔ یہ کہنا ہے کہ اس میں ہم نے حکومتِ برطانیہ سے سفارش کی کہ وہ ہندوستان پر حملہ آوروں کے دفاع کیلئے استحکامات کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں۔ اور اس قرارداد سے مجھے یہ اختیار دیا گیا کہ مَیں جناب وائسرائے کے ساتھ خط و کتابت اور ضرورت

ہو۔ تو ملاقات کروں۔ تاکہ جنگی کوششوں کو فی الفور زیادہ قوی بنانے کے وسائل سوچے جائیں اور اُن کے متعلق تمام کوائف متعلقہ پر غور کیا جائے۔ اس قرارداد کے ہمراہ ہم نے ایک یادداشت بھی جولائی ۱۹۴۰ء میں جناب وائسرائے کی خدمت میں پیش کی اور مطالبہ کیا کہ حکومت برطانیہ کوئی ایسا اعلان یا بیان شائع نہ کرے جس میں قرارداد پاکستان کے بنیادی اور لازمی اصولوں کو ضعف پہنچتا ہو۔ نیز یہ کہ حکومت صاف صاف الفاظ میں مسلمانوں کو یقین دلائے کہ دوران جنگ میں عارضی طور پر یا خاتمہ جنگ کے بعد مستقل طور پر کوئی آئین مسلمانوں کی منظوری اور رضامندی کے بغیر مرتب نہ کیا جائیگا۔ اس کے علاوہ ہم نے اپنی یادداشت میں حسب ذیل سفارشات بھی کیں۔ چونکہ موجودہ جنگ کے سبب ہندوستان سخت خطرے میں ہے اس لئے بیرونی حملہ آوروں سے بچاؤ کے لئے اور اندرون ملک میں سلامتی اور امن قائم رکھنے کیلئے جنگی کوششیں زیادہ سختی سے کی جائیں۔ وائسرائے کی مجلس منتظمہ کے اراکین کی تعداد موجودہ آئین کے اندر رہ کر ہی بڑھائی جائے۔ زائد اراکین مزید مشاورت کے بعد مقرر کئے جائیں۔ ان میں مسلمان نمائندگان اتنے ہی ہوں جتنے کانگرس کے جن جن صوبے میں کانگرسی حکومتوں کے مستعفی ہو جانے کے سبب حکومت کا کام گورنروں کے ہاتھ میں ہے اور بروئے دفعہ ۹۳۔ قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء وزیروں کی جگہ مشیر برسرکار ہیں۔ وہاں صرف غیر سرکاری مشیر مقرر کئے جائیں اور ایک جنگی کونسل کی تشکیل عمل میں آئے جس کا مقصد والیان ہند کو نمائندگی دینا ہو۔ اب اس یادداشت کے متعلق ایک اہم ترین بات پر غور کیجئے۔ اگرچہ قرارداد پاکستان مارچ ۱۹۴۰ء میں منظور کیگئی اور یادداشت ہذا تین چار ماہ بعد جولائی میں۔ مگر ہم نے اس میں یہ مطالبہ نہیں کیا کہ "ہم آج اور ابھی پاکستان قائم کرنا چاہتے ہیں"۔ یہ کیوں؟ میں اس سوال کا جواب دینے سے پیشتر چند امور پر روشنی

ڈالتا ہوں۔ یادداشت میں پاکستان کا ذکر نہ پاکر لوگوں نے انواع واقسام کے پیغام لیگ کو بھیجے۔ اور اخباروں میں مضمون لکھے۔ کسی نے کہا کہ پاکستان کی تشکیل وترتیب ملتوی کی گئی ہے۔ بعض نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ پاکستان کے قیام کا ارادہ ہی فسخ کر دیا گیا ہے مگر یہ خیالات اُن لوگوں کی اپنی خواہش کا نتیجہ تھے۔ جنکے پاؤں سیاسی دلدل میں دُور تک غرق تھے۔ (یہ وہ مُسلمان تھے جو پاکستان کی کھُلی مخالفت کرنیکا حوصلہ نہ رکھتے تھے۔ مگر کچھُ ایسی تدابیر مُلکی میں عملاً مصروف تھے جس سے پاکستان کی نفی کرنے کا پہلو موجُود تھا۔ اور ہمارے دشمنوں کے ہاتھوں میں ہمارا یہ اجتماعِ ضدّین ایک آلۂ کار بن رہا تھا۔) ان لوگوں میں بعض ایسے بھی تھے کہ ان کو پاکستان کا مؤیّد بننا تو منظور تھا۔ مگر دیانتداری اور صفائی کے ساتھ یہ نہیں کہتے تھے کہ ہم غلطی کر چکے ہیں اور اب اسکی تلافی کرنیکو تیار ہیں۔

یادداشت مذکور کے پیش کرنیکے وقت ہم مسلمانوں کو پریشان کرنے کیلئے ہمارے خلاف ایک فتنہ انگیز پراپگنڈا جاری تھا۔ اور یہ پرفتوُر کوشش ہندوستانی اخبارات اور پبلک تک محدُود نہ تھی۔ بلکہ برطانوی اخبارات کو بھی گمراہ کیا گیا۔ چنانچہ ٹائمز جیسے مُوقّر اور ہوشمند اخبار نے یکم اپریل کو ایک مقالہ لکھ ڈالا جس سے اُس کے بیوقوف بنائے جانے کی حقیقت عیاں تھی۔ مگر کیوں نہ ہو مغربی روایات کے مطابق یہ دن تو 'یوم حماقت' ہی تھا۔ (قہقہہ) اب ٹائمز کے الفاظ سُنیئے۔ اُس نے لکھّا۔

" اگرچہ تجاویز پاکستان کو بہت سے حلقوں میں بڑی مخالفت سے دوچار ہونا پڑا ہے مگر عام طور پر اخبارات کی رائے سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اُن کے نزدیک یہ تجاویز اس امر کے لئے موقعہ مہیا کرتی ہیں کہ سیاسی صُورت حالات کا ازسرنو امتحان کیا جائے۔ مرکزی اسمبلی میں مسٹر جناح کے تازہ بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اُنہوں نے کہا

کہ وائسرائے کی توسیع یافتہ مجلس منتظمہ میں مُسلم لیگ حکومت کے ساتھ تعاون کریگی۔ بشرطیکہ ہماری تجاویز متعلقہ تقسیم ہند و تشکیل پاکستان پر جنگ کے بعد غور کیا جائے "۔

ٹائمز نے یہ بھی کہا کہ اس طرح ہندوستان کی دو بڑی پارٹیوں میں ایک عارضی سمجھوتہ ہو جائے گا۔ مگر دراصل ٹائمز نے میرا آئندہ عندیہ معلوم کرنے کیلئے یہ سطور لکھیں۔ مَیں اس کے جواب میں یہی کہہ سکتا ہُوں کہ صحافت برطانیہ کے فاضل ترین رہنما نے ایسی ناشکر گزاری کی داد دی۔ جسے کسی غدّار کے اسلحہ سے بھی شدید تر کہنا چاہیئے۔ (نعرے)

اب مجھے اس سوال کا جواب دینا ہے کہ ہم نے یادداشت میں پاکستان کے فوری قیام کا مطالبہ کیوں نہیں کیا؟ سُنیئے ہماری خاموشی کی واحد وجہ یہ تھی کہ ہم ایک ایسے وقت میں برطانوی حکومت کو پریشان کرنا اور تکلیف دینا نہ چاہتے تھے جبکہ انگریز حیات و ممات کی کشمکش میں مبتلا تھے اور بقائے ہستی کی جدوجہد میں مشغول (نعرۂ تحسین) ہاں ہم نے اس ایک امر کیلئے سبب سے یہ کہا تھا کہ جونہی حالات اجازت دیں یا جنگ کے بعد جہاں تک جلد ممکن ہو ہندوستان کے آئینی مسئلے پر از سرِ نو اور اول سے آخر تک غور کیا جائے (نعرۂ تحسین) ہمیں اس کا جواب کیا ملا۔ حکومت برطانیہ کے ارباب اختیار بجائے اس کے کہ ہمارے قابل قدر رجحان پر اظہار شکر گزاری کرتے۔ اُسکے اخبارات ہندوؤں اور کانگرس کے پراپگنڈا کا ساتھ دینے لگے۔ اور اُسکے دھوکے میں آگئے۔ اشرم اشرم! مجھے معلوم نہیں کہ اس معاملہ میں لارڈ لنلتھگو ذمہ دار تھے یا وزیر ہند مسٹر ایمری یا کابینۂ حکومت برطانیہ مگر مَیں بہرحال اس پلیٹ فارم سے یہ بات پورے اصرار کے ساتھ کہتا ہُوں کہ یورپ سے بھی کہیں بڑھ کر ہندوستان میں حکومت برطانیہ کی حکمت عملی باعث بربادی ثابت ہوئی ہے۔ کیونکہ اس کے امتیاز ہیں ۔ بے عملی، کمزوری اور دودلی۔ (سُنیئے! سُنیئے!) کیا مختارانِ برطانیہ کو نظر نہیں آتا کہ واقعات بڑی تیزی سے حرکت کر

رہے ہیں اور مُلکوں کے نقشے تبدیل ہو رہے ہیں؟ دیکھئے جواب میں کیا ہو رہا ہے؟ محوری حکومتیں کیا کر رہی ہیں؟ عمل! عمل اور بس عمل آپ کو نظر آئیگا۔ اور یہاں ہندوستان میں برطانوی حکومت کیا کر رہی ہے؟ روٹھوں کو مناتی ہے۔ مخالفین کو تسکین دلاتی ہے ایک فیصلے پر قائم نہیں ہے۔ کمزور ہے۔ بے عمل ہے۔

ہندوستان کے موجودہ آئینی اور قومی مسئلہ کے پیش نظر یوگوسلیویا کے واقعات کی مثال پر غور کرنا مناسب ہے۔ جرمنی کی خبر رساں ایجنسی کا بیان ہے۔ کہ ذگریب کی تسخیر کے بعد جرمنوں نے یوگوسلیویا کے صُوبہ کروشیا کو ایک "آزاد ریاست" قرار دینے کا اعلان کیا۔ اور ایک کروش جنرل نے تمام مُلکی عہدہ داروں اور فوج کے افسران بالا و ماتحت کو حکم دیا کہ وہ نئی ریاست کے حق میں وفاداری کا اقرار حلفی کریں۔ مگر ہمیں فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ کروشیا میں کروشیوں کے علاوہ اقوام سلووِن و سرب کے لوگ بھی آباد ہیں۔ ہندوستان میں قومی صورت حالات بہت کچھ ایسی ہی ہے یعنی دراویدی لوگ اور دراوِدستان۔ مسلمان اور پاکستان۔ نیز ہندو اور ہندوستان۔ ہمارا مُلک ایک عظیم الشّان برّاعظم تختی ہے اور اسکے متعلق اس وقت عظیم ترین مسئلہ یہ ہے۔

"کیا ہم منتظر رہیں کہ کوئی غیر یہاں آئے اور ہمارے کرنے کا کام وہ کرے یا ہم اپنے مسئلے کا حل خود اپنے ہاتھوں کریں"۔

(سُنیئے! سنیئے۔ اور دیر تک نعرہ ہائے تائید)۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ کانگریس کیا چاہتی ہے؟ اس کے متعلق کسی کے دل میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ مَیں ہر اُس شخص سے جو ذرہ برابر بھی دانائی رکھتا ہے پُوچھتا ہُوں کہ کیا لشکر کانگریس کے سردار اعظم مسٹر گاندھی نے ستیہ گرہ کی مہم صرف اس لئے شروع

کی ہے کہ ہمیں تقریر کی آزادی حاصل ہو ("نہیں نہیں" کی آوازیں)۔ کیا آپ میری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ اُن کا مدعا برطانوی حکومت کو مجبور کرنا ہے کہ وہ طوعاً و کرہاً کانگرس کے مطالبات پُورے کرے۔ کیونکہ اس وقت وہ ایک سخت مصیبت میں گرفتار ہے؟ ("ٹھیک ٹھیک" کی آوازیں)، کانگرس کے مطالبات کیا ہیں؟ یہی کہ حکومت برطانیہ غیر مشروط طور پر ہندوستان کی آزادی کا اعلان کرے اور ہندوستان کو اس امر کا اختیار حاصل ہو کہ وہ اپنے ہاں کی اقلیتوں کی تسلی و تشفی کے مطابق اپنا آئین خود مرتب کریں۔ (طنزیہ قہقہہ) اور تشکیل آئین کے وقت تمام بالغوں کو حق رائے دہندگی عطا کر کے ایک آئینی مجلس مرتب کریں۔ پھر یہ مجلس اپنے ارکین کی کثرتِ رائے سے قانونِ آئین کی ہر دفعہ منظور کرے۔ یہ معاملہ کس طرح طے پائیگا؟ اس کا جواب خود خدا ہی دے تو دے۔ مَیں نادان بیچارا کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ ہے کانگرس کا مطالبہ مگر یہ لقمہ چاہے کتنا ہی پانی پیو حلق سے نہیں اُترتا۔ چنانچہ حکومت برطانیہ کو مسلمانوں کا شکر گزار ہونا چاہئیے کہ اُنہوں نے اُسے شدید ترین تکلیف سے بچا لیا۔ ہاں وہ زیادہ سے زیادہ تکلیف جو کانگرس کے بس میں تھی اور برطانویوں کو دینے کا پختہ ارادہ کر چکی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ برطانویوں کے دل میں تو اس شکر گزاری کا احساس یقیناً ہے۔ اور پُورا پورا ہے۔ چاہے زبان پر لائیں یا نہ لائیں۔ حکومت برطانیہ نے کانگرس کا مطالبہ ماننے سے قطعاً انکار کر دیا۔ مسلمان دیکھتے تھے کہ اگر یہ مان لیا گیا تو ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ پس قدرتاً مُسلم لیگ نے اسکی انتہائی مخالفت کی۔ اور اُن کی تائید اُن ہی جیسی دوسری اقلیتوں یعنی پسماندہ جماعتوں اور عیسائیوں وغیرہ نے کی اور مسٹر گاندھی اور کانگرس نے اپنی توقع کے خلاف حیرت و استعجاب کے ساتھ دیکھا کہ اُن کے مطالبہ کی شدید ترین اور زوردار مخالفت ہو رہی ہے اور ہو گی۔ اس پر کانگرس نے فیصلہ کیا کہ اگر ہمیں سامنے کی سمت سے حملہ کرنے

سے یہ چیز نہیں ملتی تو ہم پہلو کی طرف سے حملہ کریں گے۔ اور جو کچھ چاہتے ہیں کسی نہ کسی ترکیب سے ضرور لے کر رہیں گے۔

کانگرس نے پہلو کی طرف سے کیونکر حملہ کیا؟ مَیں اس کا جواب عرض کرتا ہوں۔ پہلے ایک قرارداد منظور کی گئی۔ اُس پر طویل مباحثات ہوئے۔ خود کانگرس یہی چاہتی تھی۔ کہ حتمی فیصلہ ملتوی ہوتا جائے۔ ابھی اس قرارداد کے معنی لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے تھے۔ کہ ایک اور قرارداد منظور ہوئی۔ اور کانگرس نے لگاتار قراردادیں منظور کرنے کے لئے جگہ جگہ اور بار بار اجلاس منعقد کئے۔ دہلی سے واردھا۔ واردھا سے دہلی اور پھر دہلی سے پونا وغیرہ آنے جانے کا تانتا بندھا رہا۔ مگر کانگرس نے اس دوران میں دیکھا تو یہی دیکھا کہ مُسلم لیگ ہی وہ طاقت ہے جو ان سب قراردادوں کی مخالفت کر رہی ہے اور اُن کے شیطانی مکروفریب کا مقابلہ کر رہی ہے۔ یہاں تک کہ اُن کی کوئی بات بننے نہیں دیتی۔ پس ہر ایک قرارداد کی عمل پیرائی رُکی رہتی ہے۔ انجام کار کانگرس نے پونا میں پہلو کی جانب سے حملہ کیا۔ یہ انکی تدبیر میں ایک تبدیلی تھی مگر محض برائے نام۔ ایک پہلو کی طرف سے حملہ کرنیکی تجویز یعنی قرارداد پُونا۔ کانگرس کے سپہ سالارِ اعظم مسٹر گاندھی کی قیادت میں مرتب کیگئی۔ یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ اس میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔ (سنیئے۔ سنیئے) کانگرس نے اس کے ذریعے سے اپنے قائد کو کشتی سے نکال کر سمندر میں پھینک دیا۔ اور یہ پیشکش کی کہ اگر حکومت برطانیہ ہندوستان کے لئے غیر مشروط آزادی کا اعلان فی الفور کردے اور آئین ہند کی ترتیب و تشکیل جنگ کے خاتمے کے بعد تک ملتوی کرے مگر دورانِ جنگ میں عارضی مرکزی حکومت ایک قومی ہو۔ یعنی مجلس قانون ساز کے سامنے جواب دہ رکھی جائے تو ہم جنگی کوششوں میں کامل حصہ لینے کے لئے تیار ہیں۔ اس کے یہی معنی

ہیں کہ بقول مسٹر کرپلانی سیکرٹری آل انڈیا کانگرس کمیٹی۔ کانگرس نے اپنے لیڈر کو فروخت کردیا (قہقہہ) اور اس کے اور اپنے دین اہنسا کو شہر پونا میں دفن کیا۔ اس طرح جنگ اور دفاع ہند میں برطانیہ کو امداد دینے کا اقرار کرکے کانگرس نے اس چیز کو جو پہلے ان پر "حرام" تھی پونا میں "حلال" ٹھیرائی۔ (قہقہہ) مگر اس نے دیکھا کہ اس پیشکش کو بھی نہ کوئی قبول کرتا ہے نہ اس سے دھوکا کھاتا ہے۔ اگر کسی کو دھوکا ہوتا ہے تو خود کانگرس کو۔ اب کیا کیا جائے؟ ابھی کانگرس سوچ ہی رہی تھی کہ یکایک آپ کے صوبہ مدراس کے فاضل اور دانشمند مدبر مسٹر راجگوپال آچاریہ سیاسی فن جنگ کی ایک ترکیب لیکر میدان میں آئے۔ اور کہا کہ:۔

"ہم اپنی مجوزہ عارضی قومی اور ذمہ دار مرکزی حکومت کیلئے مسٹر جناح کو وزیر اعظم قبول کرنے کیلئے تیار ہیں بلکہ ان کو یہ اختیار بھی دینے کیلئے حاضر ہیں کہ وہ جس طرح بھی چاہیں اپنا کابینہ (وائسرائے کی مجلس منتظمہ) مرتب کریں۔"

اس پیشکش کا مدعا یہ تھا کہ مسلم لیگ دھوکا کھا جائے کیونکہ کانگرس کی چالوں کی کامیابی میں لیگ ہی رخنہ انداز تھی۔ مگر لیگ تو لیگ کسی مسلمان بچے نے بھی دھوکا نہ کھایا۔ مَیں تعجب کرتا ہوں کہ ان لوگوں کے دماغ کو کیا ہو گیا۔ (قہقہہ) اس میں اس قسم کے حیلوں اور ترکیبوں سے ان کو آجتک اکثر کامیابی ہوتی رہی ہے۔ مگر اب انہیں اس بات کا احساس ہونا چاہیئے کہ اس طرح ہمیشہ دوسروں کو بیوقوف بنانا غیر ممکن ہے۔ کانگرس کو لازم ہے کہ اب اپنا مخصوص طریق کار ترک کردے۔ یعنی اب وہ وقت نہیں رہا کہ کبھی آمریت کے زور سے اپنا کام نکالے۔ کبھی ترغیب و تحریص اور منت خوشامد سے لوگوں کو اپنی راہ پر لائے اور کبھی دوسروں کو احمق بنائے یا دھوکا دے۔ مَیں کانگرس کے مختاران کار اور دوسرے

ہندوؤں و لیڈروں کو کہتا ہوں کہ مہربانی فرما کر ان طریقوں سے ہاتھ اُٹھائیے:۔

مَیں اِن طریقوں کی ایک مثال پیش کرتا ہوں کہ کس طرح بعض اوقات بڑے بڑے اور ذمہ دار کانگرسی لیڈر فریب کاری سے مطلب برآری کے لئے کوشاں ہوتے ہیں۔ بابو راجندر پرشاد نے ۱۰ اپریل کو تجویزِ پاکستان کی نسبت کہا کہ:۔

کانگرس کی مجلس عاملہ نے اس پر غور نہیں کیا۔ کیونکہ مسٹر جناح نے ہمیں اس پر بحث کرنے کے لئے نہیں کہا"۔

مَیں پُوچھتا ہوں۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ کانگرس کی مجلس عاملہ نے اس پر بحث نہیں کی ہو گی؟ (نہیں۔ نہیں) "یہ چھلاوا یہ سایہ" تو مارچ ۱۹۴۰ء سے اُنکے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ (سُنیئے۔ سُنیئے۔ دیر تک نعرہ ہائے مسرّت) کیا یہ ہے کانگرسیوں کے سچ بولنے کا معیار؟ امرِ واقعہ یہ ہے کہ کانگرس کے ہر ایک لیڈر اور ان کے سردار مسٹر گاندھی نے پاکستان پر بحث کی ہے۔ بیانات شائع کئے ہیں۔ دفتروں کے دفتر لکھے ہیں اور خود بابو راجندر پرشاد نے ایک مختصر سا رسالہ شائع کیا ہے اور اس میں پاکستان پر اپنے خیالات اور آرائے کا اظہار کیا ہے، ان حقائق کے پیش نظر ان کا یہ کہنا کہ مجلس عاملہ کانگرس نے اس پر بحث نہیں کی۔ کیونکہ مسٹر جناح نے ہمیں بحث کی دعوت نہیں دی۔ کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔ مَیں بابو صاحب سے عرض کرتا ہوں کہ اگر جناب کی مجلس عاملہ نے اس پر بحث نہیں کی تو اُسے کہئیے کہ اب کرے۔ (سُنیئے۔ سُنیئے) اور مَیں کہونگا کہ صرف بحث ہی نہ کیجئے بلکہ بلا تعصب اور احمقانہ اور بیکار جذبات کے بغیر اور پُوری دیانت داری کے ساتھ اس پر ذہن لڑائیں۔ بشرطیکہ کانگرسی قیادت میں سیاسی دانائی اور تدبیر مُلکی ابھی کچھ باقی ہے (نعرہ ہائے مسرّت) پاکستان کے متعلق ہندو مہاسبھا کے رجحان کا ذکر بھی ضروری ہے۔ یہ جماعت قطعی

طور پر لا علاج اور نا قابل اصلاح اور نہ اس سے اُمید اصلاح رکھی جا سکتی ہے۔ جب کراچی میں سکھوں کی کانفرنس ہو رہی تھی تو مسٹر ساورکر نے اُنکو ایک پیغام بھیجا اور ان امور کی تاکید کی کہ آپ ہندوستان کی بری، بحری اور حفاظتی افواج میں اپنا پُورا پُورا حصہ لینے کا مطالبہ کر کے پنجاب کے اندر جلد سے جلد ایک زبردست قوت بن جائیں اور یقین رکھیں کہ اگر یہ ہو گیا تو جب مُسلمان پاکستان کے خواب سے بیدار ہونگے تو وہ دیکھیں گے کہ پنجاب میں سکھستان قائم ہو چکا ہے۔ مَیں ہندوستان میں ہندوؤں کی مملکت کا قیام۔ ہندو قوم کی فوقیت اور ہندو راج دیکھنا چاہتا ہُوں مگر ساتھ ہی پنجاب میں سکھستان بنانے کیلئے سکھوں پر انحصار رکھتا ہُوں۔

خواتین اور حضرات! جب ہمارے خلاف بعض لیڈروں کا رجحان یہ ہو۔ تو ہم مُسلمان کس طرح اس مسئلہ کو بہترین طور پر حل کر سکتے ہیں۔ نہ صرف ہندو مہاسبھا اور اسکے مختار ان کار اس امر کے متعلق غضبناک اور دیوانہ ہو رہے ہیں کہ ہم پاکستان مرتب نہ ہونے دینگے۔ بلکہ ہندوؤں کے ایک بہت بڑے حصے اور کانگرس کا بھی یہی نصب العین ہے اور دلی تمنا۔ یہاں تک کہ مسٹر نہرو جیسے اشتراکی کے اخبار نے ۳۰ مارچ کو یہ لکھا کہ:۔

" اس امر کے متعلق کسی قسم کی سمجھوتہ یا باہمی سمجھوتہ ممکن ہی نہیں کہ ملک تقسیم کیا جائے اور ہم ان دیوانوں کی خواہشات پُوری کرنے کیلئے اس بات کے روادار کبھی نہ ہونگے "

مگر آپ غور کریں کہ جب یہ لوگ تقسیم کا ذکر کرتے ہیں تو مسلمانوں کو مذہبی تعصب میں جنونی بتاتے ہیں۔ مگر جب ہندوؤں کی مملکت وغیرہ کا نام لیتے ہیں۔ تو اپنے آپ کو آزاد خیال اور قومیت پسند ٹھیراتے ہیں۔ پنڈت نہرو کے اخبار نے اس ضمن میں اکھنڈ راج کے قیام کا نام بھی لیا۔ اور لکھا کہ جمہوریت قائم ہونی چاہیئے۔ اس سے مراد یہ تھی کہ

اکثریت کا راج ہو۔

خواتین اور حضرات! مَیں نے اِن جملہ اُمور کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے لیڈروں کے خیالات سے آگاہی حاصل ہو۔ جن میں کانگرس۔ ہندو مہاسبھا اور نوزائیدہ ہندو لیگ کے رہنما سبھی شامل ہیں۔ یہ سب کی سب جماعتیں دراصل ایک ہیں۔ قطعاً ایک۔ جس طرح کہ چھ عدد اور آدھی درجن کے مابین کوئی فرق نہیں۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہندو قیادت کی اس روش سے ہندو عوام بھی دھوکا کھا رہے ہیں اور بیوقوف بنائے جا رہے ہیں۔ ایک وقت آئیگا کہ ہندو پبلک کو رنج ہو گا۔ وہ پچھتائینگی اور ہندو کہیں گے کہ:۔

"اب ہم بیچارے کیا کریں۔ اُس وقت تو سیدھی راہ دکھانے میں کسی نے ہماری مدد نہ کی۔ ہم نے وُہی کیا جو ہمارے لیڈروں نے کہا"

مگر مَیں آج ہندوؤں کو مخاطب کر کے خبردار کرتا ہُوں کہ اگر آپ اپنے موجودہ رہنماؤں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرینگے تو اس کے بُرے نتائج کے ذمّہ دار آپ خود ہونگے۔

خواتین اور حضرات! اب چند باتیں بمبئی کانفرنس کی تجاویز اور سفارشات کی نسبت سُنئے۔ ہندو مہاسبھا اعلان کر چکی ہے کہ ہمیں سپرو کانفرنس سے کوئی سروکار نہ تھا اور نہ ہے۔ چنانچہ خود سر تیج بہادر سپرو لکھتے ہیں کہ میں ایک مدت سے سیاسی یتیم ہُوں۔ (قہقہہ) حقیقت یہ ہے کہ یہ سیاسی یتیم ایک جال میں پھنس گیا۔ یعنی ان حضرت کے سر میں یہ سَودا سمایا ہوا ہے کہ جب شدید ترین خطرہ لاحق ہو گا تو مَیں اور فقط مَیں ہندوستان کو بچا سکوں گا۔ کیونکہ علم اور عقل میں اس وقت مجھ سے بڑھ کر تو کیا میرے برابر بھی کوئی موجود نہیں۔ سر تیج بہادر کی نیّت، خواہش، اور ارادے بڑے اچھے ہوں تو ہوں

لیکن میں ڈرتا ہوں کہ انکی کانفرنس ویسی ہی تھی جیسی ڈچ فوج۔ جسمیں عام سپاہیوں کا نام ونشان نہ تھا۔ ساری فوج افسروں پر مشتمل تھی۔ (قہقہہ) میری رائے میں اگر اُس کانفرنس میں کسی نے مُسلم لیگ، کا صحیح جواب پیش کیا۔ تو وہ سر چمن لال سٹلواد تھے۔ اگر سر تیج بہادر سپرو اس تجربہ کار صحیح الدماغ ہندو کیڈر کا کہنا مانتے تو اپنے آپ کو بچا لیتے اور یہ کہنے پر مجبور نہ ہوتے۔ نہ خود غرض انکو مجبور کر سکتے کہ بمبئی کانفرنس کی رائے تجویز اور سفارش کانگرس سے بالکل مختلف ہے۔ دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ اس کانفرنس کی قرارداد کو کانگرس کی قرارداد کا آئینہ کہنا چاہئیے۔ دونو کا منشاء وہی پہلو کا حملہ ہے۔ جس کا ذکر میں کر چکا ہوں۔ جو تجویز کہ قرارداد پونا میں کانگرس نے مرکزی قومی حکومت کے متعلق پاس کی۔ اُسی کی صحیح نقل کانفرنس نے منظور کی۔ اگر آپ اُس یادداشت کو جو قراردادِ کانفرنس کی تشریح کیلئے مرتب کیگئی پڑھیں گے تو آپ کے دل میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے گا۔ اس لئے مجھے یہ بات دُہرانی چاہئیے۔ کہ سر تیج بہادر نے غلط راہ اختیار کی اور مجھے افسوس ہے کہ خود غرض لوگوں اور بعض جماعتوں نے انکو جال میں پھنسایا۔

خواتین و حضرات! آخر میں میں برطانوی حکومت کو جو اس مُلک پر قابض اور اس کی حاکم ہے۔ تنبیہہ کرتا ہوں کہ خبردار ہو جائیے۔ اور اُن لوگوں کو تسکین وتسلی دینے کی حکمتِ عملی ترک کر دیجئے جو آپ کی جنگی کوششوں کو بیکار بنا دینے پر تُلے ہوئے ہیں۔ اور اس نازک وقت میں دفاع ہند اور جنگ دونوں کی مخالفت میں اپنا سارا زور صرف کر رہے ہیں۔ کیا آپ ایسے لوگوں کو اس وقت بھی اور جنگ کے خاتمہ پر بھی فوقیت کا درجہ دینا چاہتے ہیں؟ اور اس مُلک میں برطانوی حکمت عملی کو قطعاً بدل دینے کے درپے ہیں؟ آپ ان لوگوں کے ساتھ بیوفائی کر رہے ہیں جو آپ کی امداد کیلئے تیار ہیں اور خلوص دل سے آپکے معاون و مددگار بننے کی خواہش رکھتے

ہیں۔ مگر آپ رُوٹھوں کو منانا چاہتے ہیں جو سیاسی اور اقتصادی شعبوں میں زیادہ سے زیادہ پریشانی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ آپ کو لازم ہے کہ اپنی حکمت عملی کے اس جزو غالب نیز اسکی نوعیت کو بدل دیں۔ موجودہ حالت میں تو آپ اُن لوگوں کے ساتھ گزارا کرتے ہیں کوشاں ہیں جو آپ کے ساتھ گزارا کرنا نہیں چاہتے۔ اگر آپ کو دیانتداری سے اس امر کی حاجت ہے کہ اسلامی ہند آپ کے ساتھ تعاون کرے تو جو کچھ دل میں ہے صاف طور پر زبان پر لائیے اور مصروف عمل ہو جائیے۔

خواتین اور حضرات! پیشتر اس کے کہ میں یہ بحث ختم کروں۔ مجھے یہ کہنا ہے کہ ہم ایسے اہم مسئلوں کے حل کرنے میں جو ہماری قومی حیات و ممات پر حاوی ہیں صرف اس طرح کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر تقریریں کریں۔ یا اپنے مخالفوں اور دشمنوں کی قلعی کھولیں۔ اس کیلئے ایک خاص ہتھیار تیار کرنا ہوگا اور جس قدر جلد ہم اسے تیار کر لیں بہتر ہے۔ وہ ہتھیار یہ ہے کہ ہم اپنی قوت کی تخلیق خود کریں۔ اور اپنی جماعت کی تنظیم اس طرح مکمل کر لیں۔ کہ ہم ہر قسم کے خطرے، ہر معاندانہ زور مندی اور ہر مخالف دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔ چاہے یہ دشمن ایک ایک کر کے میدان میں آئیں اور چاہے بہت سے مخالف باہمی امداد کے ساتھ ہمیں نیچا دکھانے میں کوشاں ہوں۔

(بلند نعرہ ہائے تحسین)

قائداعظم

کا

وہ خطبہ جو آپ نے "آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن" کے اجلاس ناگپور

میں ۲۹ دسمبر ۱۹۴۱ئہ کو ارشاد فرمایا۔

خواتین و حضرات! اگرچہ یہاں میرے نوجوان دوستوں کا اجتماعِ عظیم ہے۔ لیکن اس میں غیر طلباء کی تعداد بھی خاصی ہے۔ جیسا کہ مَیں نے کل رات کہا تھا میرا خاص مقصد نوجوان دوستوں سے خطاب کرنا ہے۔ "آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن" آج سے چار یا پانچ سال پیشتر معرض وجود میں آئی تھی۔ اب مَیں پہلے آپ کی توجہ اس فیڈریشن کے آئین کی طرف منعطف کراتا ہوں۔ آپ کے آئین کی غرض و غایت جو آپ کو ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہیئے یہ ہے کہ ہندوستان کے مُسلم طلباء کو خود مختار صوبائی مجالس کے توسّط سے ایک منظم جماعت بنایا جائے اور مُسلم طلباء کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔ آپ جانتے ہیں کہ مُسلم طلباء کو ہر زمانہ میں اور خصوصاً اس عہد میں آپ ہی اپنے حقوق کی حفاظت کا فرض بجالانا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کو بہت شکایات ہوں۔ لیکن ایک منظم جماعت کی حیثیت میں ہی آپ ان شکایات کا ازالہ کرا سکتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ اس باب میں آپ کو بہت جدّوجہد کرنی پڑی ہے اور بڑی مشکلات کا سامنا ہوا ہے۔ آپکی ایک غرض یہ ہے جس کا ذکر ابھی مَیں نے کیا دُوسری غرض یہ ہے کہ مُسلم طلباء میں سیاسی شعور کو بیدار اور انہیں مُلک کی آزادی کی

جدوجہد میں مناسب حصّہ لینے کیلئے تیار کیا جائے۔ اسی خیال سے مَیں نے آپ کے اجلاسِ امروزہ
کی صدارت کا شرفِ قبول کیا ہے۔ اس ضمن میں مَیں بتانا چاہتا ہُوں کہ آپ کو کون سے
مسائل پیش ہیں۔ مَیں آپ کے آئین کی زبان میں ہی اسکی وضاحت کرتا ہُوں اور وہ یہ ہے
کہ مُسلم طلبا کو اپنے ملک کی آزادی کی جدّوجہد میں مناسب حصّہ لینے کے واسطے تیار کرنا۔
اس سلسلہ میں آپکی فیڈریشن نے گزشتہ دو سال میں نمایاں ترقی کی ہے۔ اُمید ہے کہ آپ مزید
ترقی کرینگے۔ آپ کو یاد رکھنا چاہئیے کہ مَیں بار بار یہ واضح کرچکا ہُوں کہ طلباءؑ سے روزمرہ کی عملی سیاسیات
میں حصّہ لینے کی توقّع نہیں کیجاتی۔ طلباء کا اوّلین فرض اپنے والدین اور اپنی قوم کے متعلق
یہ ہے کہ وہ اپنی توجّہ درسیات (تعلیم) پر مرکوز رکھیں۔ یاد رکھیئے کہ طالب علم کی حیثیت اور
طالبِ علم کی حالت میں آپ جو وقت ضائع کرینگے۔ آپ کا جو وقت دوسری سرگرمیوں میں
اکارت ہوگا۔ وہ کبھی واپس نہیں آئیگا۔ لیکن اپنے اوّلین فرض کو یاد رکھتے ہُوئے اس امر
کو بھی ملحوظ خاطر رکھیئے کہ اپنے مُلک کی سیاسی، سماجی اور اقتصادی سرگرمیوں سے بھی آگاہ رہنا
ضروری ہے۔ نہ صرف اپنے ملک بلکہ تمام دُنیا کی سیاسی اور مجلسی سرگرمیوں سے۔ اس خیال
سے مَیں ہمیشہ مسلم طلباء کے اجتماعات میں شرکت کی دعوتیں قبول کرتا رہا ہُوں۔

اَب مَیں آپ کے داخلی معاملات کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہُوں۔ یہ مسئلہ غور طلب ہے
کہ آپ ہندوستان کے مُسلم طلباء کو ایک مرکز پر لانے، ان میں اتحاد پیدا کرنے اور اپنی
جماعت کو مزید منظّم بنانے کیلئے کیا وسیلے اور طریقے اختیار کرتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ
اس معاملہ کے متعلق پُورے غور و خوض کے بعد قرارداد منظور کریں گے۔

آنے والی ذمّہ داریوں کو جو آپ کے دوش پر آنے والی ہیں اُٹھانے کیلئے تیاری کرتے ہُوئے **مُسلم لیگ کی طاقت بڑھ رہی ہے!**

اس امر کو بھی یاد رکھیئے کہ یہاں آل انڈیا مسلم لیگ کی تنظیم بھی ہے جو روز بروز قوی تر ہوتی جا رہی ہے اور ہندوستان کے طول و عرض میں تیز رفتار سے ترقی کر رہی ہے۔ مسلم لیگ نے گزشتہ تین سالوں میں نہ صرف نمایاں بلکہ معجزانہ ترقی کی ہے (تالیاں) اس لئے آپ کو آل انڈیا مسلم لیگ کی سرگرمیوں، پالیسی اور پروگرام سے باخبر رہنا چاہیئے۔ تین سال پہلے ہندوستان میں مسلمانوں کی جو حالت تھی اس کا موازنہ آج کی حالت سے کیجئے۔ پانچ سال پیشتر یہ حالت بہت زبوں تھی اور دس سال پہلے قوم پر ایک موت سی طاری تھی۔ تین سالوں میں آپ نے اس چھوٹے سے برِاعظم کے ایک سرے سے دوسرے تک مسلمانوں میں سیاسی شعور و احساس پیدا کر دیا۔ مسلم لیگ نے مسلمانوں کیلئے ایک پرچم بنایا۔ ایک مشترکہ پلیٹ فارم تیار کیا۔ ایک نصب العین قائم کیا جو میرے نزدیک آپ کو اس ارضِ موعود تک پہنچائے گا۔ جہاں ہم پاکستان قائم کر سکیں گے (تالیاں)، لوگ جو چاہیں کہہ سکتے ہیں اور جس قسم کی باتیں چاہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن مثل ہے کہ وُہی بہتر بنتا ہے جو آخر میں بنتا ہے۔ اب جس چیز کی ضرورت ہے وہ ایک واضح اور معیّن تعمیری پروگرام ہے۔ جسکی تکمیل ہماری سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ہوتی رہے۔

ہمیں احساس ہے کہ ہمارا کوئی دوست نہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم چار اطراف سے مخالفوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ اب میں آپ کے صُوبہ کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہُوں۔ آپ کی تعداد یہاں چار فی صدی ہے اور جیسا کہ میں نے ۱۹۳۷ء میں بمقام لکھنؤ پیشگوئی کی تھی آپ ایک امتحان آتشیں سے گزرے ہیں۔ آپنے مصیبتیں جھیلی ہیں۔ آپ اس صُوبہ میں چار فیصدی ہیں۔ جہاں واردھا کی خاص لیبوٹری (سائینس کی تجربہ گاہ) میں ایک نئی کارروائی یا عمل کا تجربہ کیا جا رہا ہے۔ آپ کو خوفزدہ اور مقہور کرنے

کیلئے کوشش کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ چار فیصدی آبادی کو خوفزدہ کرنیکی پالیسی نہ صرف ناروا اور غیر منصفانہ بلکہ بزدلانہ تھی (شرم! شرم کی آوازیں) آپ کو دل شکستہ ہونیکی کوئی وجہ نہیں۔ مَیں اس پلیٹ فارم پر یہ حقیقت ظاہر کرتا ہُوں کہ مَیں نے عمر بھر ایسا فخر نہیں کیا تھا جیسا اس صُوبہ کے مسلمانوں نے شاندار استقلال و عزم کا حال پڑھ کر اور سُن کر کیا۔ ہمیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑیگا۔ دُنیا کی کوئی قوم تکالیف برداشت کئے بغیر قوم نہیں بنی۔ اور نہ کسی قوم نے ایثار کے بغیر اپنا مقصود حاصل کیا۔ یہ حقیقت ظاہر ہے کہ یہ بدبخت آئین (جو ۱۹۳۵ء میں مرتب کیا گیا تھا) اس مُلک میں معہ اپنے صوبائی حصّہ کے بُری طرح ناکام رہا۔ ہمیں اپنے عزائم اور مقاصد کی تجدید کرنی پڑیگی۔ مَیں چاہتا ہُوں کہ اس صُوبہ کے مُسلمان خوش اور قوی دل رہیں۔ مَیں انہیں یقین دلاتا ہُوں کہ کوئی ناروا غیر منصفانہ اور بے دیانت اقدام کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

مَیں یہ کہہ رہا تھا کہ مُسلم لیگ لوگوں کی توقّعات سے بھی زیادہ تیزی سے ترقّی کر رہی ہے۔ اتحاد و استحکام ہو یا مختلف شعبوں کی ترقّی کُنجی آپ کے ہی ہاتھوں میں ہے۔ کسی شخص پر مدارکار نہ رکھیئے۔ آپ جانتے ہیں کہ مَیں جارحانہ اقدام کی تلقین نہیں کرتا۔ مسلم لیگ ہمیشہ مدافعت کرتی رہی ہے۔ مَیں نے ہمیشہ یہی کہا ہے۔ یہ نہ کوئی رعایت ہے نہ کسی پر مہربانی۔

مَیں ہمیشہ کہتا رہا ہُوں کہ مُسلمان ہندو جاتی یا دوسری جاتیوں کے متعلق کوئی منصوبہ نہیں باندھتے لیکن اس چھوٹے سے برّ اعظم میں ان کے راج اور اقتدار کو تسلیم اور اطاعت قبول کرنے کیلئے تیار نہیں۔ اب صُورتِ حال پر ایک نظر ڈالیئے۔ موجُودہ سیاسی ماحول میں کس طرح

مختلف انجمنیں۔ ہندو انجمنیں سرگرم کار ہیں۔ پہلے مثالاً کانگرس کو ہی دیکھئے جو ہندوؤں کی سب سے زیادہ طاقتور اور بہترین منظم جماعت ہے۔

مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ آج کانگرسی لیڈروں میں اتنی دیانت کیوں نہیں کہ وہ آزادی سے تسلیم کرلیں کہ کانگرس مسلمانوں کی نمائندہ نہیں۔ مقدس راشٹر پتی کے متعلق گفتگو کرنے سے کیا حاصل ہے۔ جیسا کہ اس کی حیثیت ایک "شوبوائے" (وہ لڑکا جو کسی دکان پر خریداروں کو سامان دکھاتا ہے) سے زیادہ نہیں۔ کانگرسی لیڈر اپنے سوا اور کس کو دھوکا دے رہے ہیں۔ اپنے سوا کس کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں۔ مَیں جانتا ہوں۔ آپ جانتے ہیں اور دُنیا جانتی ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی موثق نمائندہ جماعت ہے۔ (ابھی) باردولی اندھیرے میں ہے (قہقہہ) مَیں ناگپور میں جو واردھا اور سیواگرام کے قریب ہے دُعا کرتا ہُوں کہ خداوند تعالیٰ باردولی میں بھی کچھ روشنی پہونچا دے۔

کانگرس کیا چاہتی ہے بعض اوقات یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس سے ٹینسن کا یہ قول یاد آتا ہے۔

"بعض اوقات ایسے خیالات آتے ہیں کہ مَیں اُنہیں جامۂ الفاظ پہنانا گناہ سمجھتا ہُوں"

کانگرس کیا چاہتی ہے!

جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے اور جس حد تک ایک ذہین آدمی ان کا مطلب سمجھ سکتا ہے مَیں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہُوں کہ مَیں نے کانگرس کا یہ مقصود سمجھا ہے۔ کانگرس کی سرکاری قرارداد سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ برطانی حکومت سے یہ چاہتی ہے کہ ہندوستان کی آزادی کا فوری اعلان کردیا جائے۔ اس حق کے ساتھ کہ لوگ حق رائے دہی بالغان کی بنا پر ایک کانسٹی ٹیونٹ (آئینی) اسمبلی کے ذریعہ اپنا آئین خود مرتب کرلیں۔ اس کے بعد مسلمانوں میں جداگانہ

حلقہ ہائے انتخاب دینے کی نوازش کی جائے۔ جب مُسلم مفاد اسمبلی کے فیصلوں سے غیر مطمئن ہوں۔ اور یہ ایسا ہی یقینی ہے۔ جیسا دن کے بعد رات کا آنا۔ مَیں جانتا ہُوں کہ مسلمان مطمئن نہ ہونگے۔ اس لئے کہ کانسٹی ٹیوانٹ اسمبلی میں ہندوؤں کی ۷۵ فیصدی اکثریت ہوگی اور مَیں گزشتہ تین سالوں کے متعلق سینکڑوں مثالیں پیش کرسکتا ہُوں کہ کسی مخلوط جماعت میں جہاں ہندوؤں کی عظیم اکثریت اور مسلمانوں کی اقلیت تھی۔ کسی بڑے مسئلہ پر اتفاق رائے نہیں ہوسکا۔ اس صُورت میں مسلمانوں کے ساتھ یہ رعایت روا رکھی جائے گی کہ وہ ثالث سے رجُوع کرسکیں۔ سوال یہ ہے کہ ثالثی عدالت کے ارکان کو کون نامزد کرے گا؟ اگر مَیں اپنی پسند کے ثالث منتخب کرونگا تو کیا ہندو ان کو منظور کرلیں گے۔ اگر نہیں تو پھر ثالث کون منتخب کریگا؟ اگر ہم ثالثوں کے مسئلہ پر متفق نہ ہوسکیں۔ تو کیا ہوگا؟ لیکن اِن تمام امکانات سے قطع نظر ہم سے کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی شرکت صرف اقلیت کے تحفظات کے مسئلہ تک محدُود رہیگی۔ جہاں تک دُوسرے مسائل کا تعلق ہے اُن کا فیصلہ اکثریت ہی کریگی۔ یہ ہے کانگریس کا مقصد۔

کانگریس کا عقیدہ جیسا کہ صف اوّل کے رہنماؤں مسٹر گاندھی اور مسٹر جواہر لال نہرو نے حال ہی میں بیان کیا۔ کامل آزادی ہے۔ مسٹر جواہر لال نے ایک تازہ تقریر میں کہا کہ انگریزوں کو اس مُلک سے نکل جانا چاہیئے۔ اچھا اگر آپ کا مقصود یہی ہے تو اس پر مردانہ وار قائم رہیئے۔ پہلو تہی نہ کیجئے۔ آپ انگریزوں سے اعلانِ آزادی اور کانسٹی ٹیوانٹ اسمبلی کے قیام میں سہولتوں کا مطالبہ کیوں کرتے ہیں؟ مردانہ وار اپنے مقصد پر قائم رہیئے اور کرامویل کے الفاظ میں انگریزوں سے کہہ دیجئے کہ "یہاں سے نکل جاؤ"۔ اب دیکھئے کہ راشٹرپتی مولانا ابو الکلام آزاد کیا فرماتے ہیں؟ انڈین نیشنل کانگریس

کے صدر اور ترجمان کا ارشاد ہے کہ:۔

"جبتک برطانی حکومت کی روش نہ بدلے کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی"۔

لیکن اگر برطانوی حکومت کی روش بدل جائے تو آپ کے "عقیدۂ آزادی" کا کیا بنیگا؟ کیا آپ سمجھوتہ چاہتے ہیں۔ کیا آپ اپنی رُوح کی حوالگی چاہتے ہیں۔ یہ ہے وہ مُدعا جسے تو لننا ایچ بیچ سے ظاہر کرتے ہیں۔ راجگوپال اچاریہ صاحب فرماتے ہیں:۔

مَیں سمجھتا ہُوں کہ ہمیں پُونا پیشکش کی تجدید کرنی چاہیئے"۔

اس کی تجدید کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے محبوب رہنما جناب گاندھی سے محروم ہو جائیں گے جو انگریز حکّام سے جبر اور بلیک میلنگ (جبر اور مکر سے کسی چیز کا حصُول) کے ذریعہ انتقال اختیار و اقتدار طلب کرنیکے فن میں بڑے خصُوصی ماہر ہیں۔

جنابِ گاندھی!

جناب گاندھی ہمیشہ یہ کہتے رہتے ہیں کہ:۔

"مَیں لڑائیوں کے خلاف ہُوں۔ اگر دفاعِ وطن کیلئے کبھی ہو تو مَیں جنگ کو پسند نہیں کرُونگا۔ ہٹلر آتا ہے تو اُسے ہمارے جسموں کو پامال کرنے دو۔ ہم ستیہ گرہ کرینگے"

لیکن جب پُونا کی پیشکش کی گئی تھی تو جناب گاندھی نے اس وقت کیا اقدام کیا؟ پُونا کی پیشکش کا مطلب یہ تھا کہ اگر برطانی حکومت نے کانگریس کے مطالبات تسلیم کر لئے تو کانگریس مساعی جنگ اور ہندوستان اور انگلستان کی مداخلت میں پُورا حصّہ لے گی۔ جناب گاندھی کو ایسا صدمہ ہُوا کہ وہ کانگریس کے جنرل نہ رہ سکے۔ حالانکہ وہ کانگریس کے چار آنہ والے ممبر بھی نہیں۔ جناب گاندھی نے فرمایا کہ:۔

مَیں ایک ماہر خصُوصی اور جنرل کی حیثیت میں کانگرس کے ساتھ نہیں رہ سکتا"۔

پھر جناب گاندھی نے کیا کہا؟ آپ کو یاد ہو گا کہ دوسرے دن ہی جنابِ گاندھی نے

برطانوی جرائد کے نامہ نگاروں کو ایک بیان دیا جس میں حکومت برطانیہ کو مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ پیشکش پُونا کو قبول کر لیں اور موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ ایسا نہ کیا تو نیہ شدید ترین غلطی ہو گی۔ ایک شخص جو تمام لڑائیوں کے خلاف رہا ہے۔ جو "اہنسا" کا قائل ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ کانگرس نے میرے مُدت العمر کے عقیدہ اور نصب العین کے خلاف عمل کیا ہے۔ اس لئے مَیں اس سے وابستہ نہیں رہ سکتا۔ دوسرے روز ہی برطانی پریس کو بیان دیتا ہے اور پیشکش پُونا کی تائید کرتا ہے۔ ان اُمور کے پیش نظر یہ سمجھنا مشکل ہے کہ کانگرس کیا چاہتی ہے اور کس مقصد کے لئے کوشش کر رہی ہے۔

راج گوپال اچاریہ صاحب کو دیکھئے ان کا خیال ہے کہ بار بار قید خانہ میں جانا اور قید و بند کو دعوت دینا بیکار ہے۔ اب یہ لوگ بار دولی میں جمع ہو رہے ہیں۔ کانگرس میں جناب گاندھی بھی ہیں اور جواہر لال نہرو بھی اور راجگوپال آچاریہ بھی۔ لیکن یہ تینوں حضرات متضاد باتیں کہتے ہیں۔ مَیں درخواست کرتا ہُوں کہ آپ ذی فہم آدمیوں کی طرح اس مسئلہ پر غور کیجئے اور بتائیے کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ کانگرس ایک بلند مقام پر متمکن ہونے کا باطل دعویٰ کر رہی ہے۔ یہ باطل ادعا ایک ضمنی تماشے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی مشین کے دُوسرے پرزے بھی مصروف کار ہیں۔ مثلاً ہندُو مہاسبھا۔ جہانتک مسلمانوں کا تعلق ہے ہندو مہاسبھا اپنے عزائم صاف لفظوں میں ظاہر کرتی ہے۔ اس کے رہنما جو کچھ کہنا ہو صاف کہتے ہیں۔ ساورکر صاحب نے اپنی اس تقریر میں جو بدقسمتی سے بھاگل پور میں نہیں کی جا سکی صاف طور سے اعلان کر دیا کہ:۔

"مَیں اپنی قوم اور ہندو اقتدار کا علم بردار ہُوں"

انہوں نے سلیس اور صاف زبان میں کہہ دیا کہ اس چھوٹے براعظم میں ہندُو راج

قائم ہونا چاہیئے۔ اگر مسلمان نہیں مانتے تو ہم افغانستان کو ہندوستان سے ملحق کر لینگے اور سرحد ہندوستان ہندوکش تک وسیع کر دی جائیگی۔ مسلمان ایک اقلیت سے زیادہ کسی رعایت کے مستحق نہیں۔ یہ سب باتیں کسی تشریح اور توضیح کی محتاج نہیں۔ مَیں صرف یہی کہہ سکتا ہُوں کہ ساورکر، ڈاکٹر مونجے اور انکے رفقاء کو مالیخولیا ہوگیا ہے۔ وہ مسلمانوں کو کم اور اپنی جاتی کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچا رہے ہیں۔ مَیں خوش ہُوں کہ اُنھوں نے کانگریس کی طرح اپنے عزائم اور مقاصد کو چھپانے کی کوشش اور اظہار خیالات کیلئے ڈپلومیٹک زبان استعمال نہیں کی۔ مَیں خوش ہُوں کہ خدا کے فضل سے اب کانگریس یا اور کوئی جماعت مسلمانوں کو احمق نہیں بنا سکتی۔

ہندو مہاسبھا کیا چاہتی ہے! ہندو مہاسبھا کس کام میں مصروف ہے۔ وہ ہندوؤں کو عسکریت اور صنعت و حرفت کی طرف متوجہ کرنا چاہتی ہے۔ وہ ہندوؤں پر زور دے رہی ہے کہ میدانی، بحری اور فضائی افواج میں بھرتی ہو کر جنگ میں مدد دیں۔ کس کو صنعت اور عسکریت کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے؟ ہندو قوم کو۔ مَیں جناب ساورکر اور فیلڈ مارشل مونجے سے پُوچھتا ہوں کہ کیا آپ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ اس ملک میں بسنے والے تمام لوگ بے عقل ہیں۔ کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ انگریزوں کو بیوقوف بنایا جاسکتا ہے۔ پھر ایسی باتوں سے حاصل؟ زبانی اظہار وفاداری اور پوشیدہ مقصد کیساتھ ہندوؤں کو مَیدانی۔ بحری اور فضائی فوج میں بھرتی کرانے کی تحریک سے فائدہ؟ پھر یہ کیا کرینگے؟ اس کا جواب صاف ہے۔ پاکستان بخارات کی طرح ہَوا میں اُڑ جائیگا اور انگریز یہاں سے رخصت ہو کر لندن میں جا بسیں گے۔ کیا آپ نہیں سمجھتے کہ ان حضرات کو جو ایسی باتیں کرتے ہیں کسی جگہ بند کر دینا بہتر ہوگا؟ میرے نوجوان

دوستو! ہندو مہاسبھا ایک خواب دیکھ رہی ہے۔ کیسا خواب؟ وہ اپنے خواب کو چھپاتی نہیں یہ کیوں پاکستان کی مخالفت کرتی ہے؟ اگر وہ دیانتداری اور بے تعصبی سے غور کریں۔ تو پاکستان ان کے مفاد کے لئے مُضر نہیں۔

مسلمان کہتے ہیں کہ ہندوستان کا وہ حصّہ ہمارے حوالے کردو جہاں ہماری اکثریت اور وطن ہے۔ ہمیں اپنی حکومت کے تحت رہنے دو اور ہم ہندو اقلیت کی حفاظت کا ذمّہ لیتے ہیں۔ تم ہندو ہندوستان میں رہو اور اس کی مُسلم اقلیت کی حفاظت کرو۔ تین چوتھائی مُلک تمہارے قبضہ میں ہوگا۔

لیکن ہندو تین چوتھائی ملک نہیں پورا ملک چاہتے ہیں۔ پھر انہیں پورا کس طرح مل سکتا ہے۔ ساورکر صاحب کی سکیم کیا ہے؟ وہ سکیم یہ ہے کہ جب میدانی، بحری اور فضائی فوج اور نظم و نسق میں ہندوؤں کو ۷۰ فیصدی حصّہ مل جائے گا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت تک فیلڈ مارشل اس امر کی کوشش کرینگے کہ ہر ایک ہندو گوشت کھانے لگے تو پھر ہندو راج قائم کرنے کی کوشش کی جائیگی۔ ان مُسلمانوں کا کیا حال ہوگا جو شمال مغرب اور شمال مشرق میں رہتے ہیں؟ ان سرحدوں پر کیا واقع ہوگا۔ وہ بھی سُنئیے۔ سرحدوں پر ہندو فوج اسی طرح مامور کردی جائیگی۔ جس طرح اب برطانی فوج متعین ہے اور یہ ہندو فوج اس امر کا لحاظ رکھے گی کہ مقامی مسلمان سر نہ اٹھانے پائیں۔ ہندو ایک مرکزی حکومت قائم کرینگے جو اس چھوٹے براعظم پر ایک سرے سے دوسرے تک حکومت کریگی۔ ہوسکتا ہے کہ افغانستان کو بعد میں ملحق کرلیا جائے۔ اس لئے مسلمانوں کو کسی طرح کی ذمہ دار حکومت بھی نصیب نہ ہوگی۔ یقیناً وہ اس حد تک ترقی نہ کر سکیں گے کہ ایک خود مختار ریاست کی صُورت اختیار کرسکیں۔ دُوسرے الفاظ میں ان کے

حقوق ہمیشہ کیلئے سلب کر لیے جائینگے وہ اپنے علاقوں میں میدانی، بحری اور فضائی فوج نہیں رکھ سکیں گے۔ حضرات یہ خواب ہی نہیں اس امر پر اصرار کرنا ہندو مہا سبھا کی بدترین حماقت ہے۔

ہندو مہاسبھا کا مطالبہ
ہندو مہاسبھا کا مطالبہ کیا ہے؟ آجکل تو اس نے بھاگل پور کے سوا سب مطالبات کو ترک کر رکھا ہے۔ جو چند روز میں طے ہو جائیگا۔ مہا سبھا انگریزوں سے کہہ رہی ہے۔ ہم آپ کے ساتھیوں کی حیثیت سے کام کرنے کیلئے آمادہ ہیں۔ آپ جو خدمت فرمائیں ہم بجا لانے کیلئے تیار ہیں۔ ہندوؤں کے لئے میدانی، بحری اور فضائی افواج کی بھرتی کھول دیجئے۔ آپ جو حکم دینگے ہم اُس کی تعمیل کریں گے۔

ایک طرف ہندو مہاسبھا ایک پوشیدہ غرض سے جسکے متعلق کسی شخص کو شک و شبہ نہیں ہو سکتا یہ التجائیں کر رہی ہے اور دوسری طرف اپنے ایک بھائی کے توسط سے اس بات پر زور دے رہی ہے کہ:-

"انگریز ایک وقت معین کے اندر ہندوستان کو ولیسٹ منسٹر کی نوعیت کا درجہ نوآبادیات دے دیں"

یہ درجہ نوآبادیات کون دیگا؟ برطانوی حکومت؟ مَیں پوچھتا ہوں کہ کیا صراحتاً بے فائدہ اور لغو نہیں ہے۔؟ اوّل اس لئے کہ برطانی حکومت ایسا نہیں کر سکتی۔ اگر کرے بھی تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ساورکر کو گدی پر بٹھا دیگی۔ اور اس کے راج میں پولیس کے فرائض بجا لائیگی۔ ولیسٹ منسٹر نوعیت کا درجہ نوآبادیات کس طرح دیا جائیگا۔ جیسا کہ مسٹر ایمری نے بجا طور پر کہا:-

"درجۂ نوآبادیات کوئی نشان یا تمغہ نہیں کہ اسے سیفٹی پن کے ساتھ کوٹ کے کاج میں لگا دیا جائے۔"

یہ سوال ہے اس چھوٹے برِاعظم میں کاروبارِ حکومت چلانے کا۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ برطانی سنگینوں کی حفاظت میں گدی پر بیٹھے رہیں؟ کیا آپ اسکی توقع رکھتے ہیں؟

وقت کی تعیئین

ہندوؤں کی طرف سے وقت کی تعیئین کا مطالبہ کس غرض سے کیا جا رہا ہے؟ اس معاملہ میں ہمیں اپنے مخالفوں کی ذہانت کی داد دینی چاہیئے۔ خواہ وہ کسی قدر بیوقوف ہوں۔ آخر ان کا مقصد کیا ہے۔ ہندو مہاسبھا کا مطالبہ ہے کہ برطانی حکومت وعدہ کرے کہ جنگ کے ایک یا دو سال بعد ویسٹ منسٹر نوعیت کا درجۂ نوآبادیات دے دیا جائیگا۔ اسکے کیا معنی ہیں؟ اگر آج برطانی حکومت موثق طور پر یہ اعلان کر دے کہ ہندوستان میں کینیڈا کی مانند ویسٹ منسٹر نوعیت کی حکومت ہندوستان میں قائم کر دی جائیگی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہندوستان کا آئین یہاں کی بڑی پارٹیوں کی رائے سے مرتب نہیں کیا جائیگا۔ دوسرے الفاظ میں مسلمانوں کی رضامندی ضروری نہ ہوگی۔ پھر کس کی منظوری سے برطانی حکومت یہ آئین نافذ کریگی۔ کانگرس اور ہندو مہاسبھا کی منظوری سے۔ اگر ہندو مطمئن اور مسلمان غیر مطمئن ہوں تو برطانی حکومت کہہ دیگی کہ ہم اپنا وعدہ پورا کر رہے ہیں اور ہمیں آئین مرتب کرنا چاہیئے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا موعودہ آئین مرتب ہونے کے بعد ہندوستان سے برطانی فوج چلی جائیگی؟ میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ انگریز ایسے بیوقوف نہیں اگر وہ ایسی حماقت کریں بھی تو وہ آئین دو ہفتوں سے زیادہ قائم نہیں رہے گا۔"

جواہر لال نہرو کہتے ہیں۔ ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر دو۔ سر تیج

بہادر سپرو بھی جو زیادہ نرم اور صلح جو اور اس وجہ سے زیادہ عیّار ہیں۔ یہی کہتے ہیں۔ آپ اس معاملہ میں خاندانی مشابہت دیکھ سکتے ہیں۔ سر تیج بہادر سپرو جو بہت تیز طرّار اور ظاہر دار ہیں۔ ۲۵ر دسمبر کے بیان میں کہتے ہیں :-

"ہندوستانیوں کو یہ محسوس کرا دینا چاہیئے کہ وہ مساعیِ جنگ میں شرکت کرتے ہوئے نہ صرف دولتِ مشترکہ کے متعلق اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں۔ بلکہ اپنی آزاد زندگی کے تحفظ کے واسطے بھی لڑ رہے ہیں"

وہ سفارش کرتے ہیں کہ ایک نیا اعلان کر دیا جائے کہ ہندوستان کے ساتھ محکوم اور زبردست ملک کا سا سلوک نہیں کیا جائیگا۔ ایک بھائی کہتا ہے کہ ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر دو۔ دوسرا بھائی کہتا ہے۔ اس بات کا یقین دلادو کہ ہندوستان کے ساتھ زبردست اور محکوم ملک کا سا سلوک نہیں کیا جائیگا۔ کیا آپ ان دونو باتوں میں کوئی فرق کر سکتے ہیں۔ سر تیج بہادر سپرو اور لبرل حضرات ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں۔ شاستری صاحب ایک تازہ تقریر میں فرماتے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ مسلمانوں کو وہ تمام تحفظات دیدیں جو قومی مفاد کے مطابق ہوں۔ کس کے قومی مفاد کے مطابق؟ کونسی قوم؟ ہندو یا مسلمان؟ اس طرح آپ جتنا غور کرینگے اسی ہندو اقتدار کے منصوبے مضمر پائیں گے؟

مَیں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہندو لیڈر کن اصول پر کام کر رہے ہیں اور مختلف الفاظ میں ایک ہی بات کہہ رہے ہیں۔ کسی کی زبان صاف ہے اور کوئی گول مول لفظوں میں اپنا مافی الضمیر بیان کرتا ہے۔ زبان اور بیان صاف ہو یا مبہم بہر صورت مدعا ان سب کا ایک ہی ہے۔

ہندوستان واحد ملک کی حیثیت سے رہے اور اس میں ایک مرکزی حکومت ہو۔

جسکے معنی ہیں ہندو اکثریت کا راج۔ سیاسی اکثریت کا نہیں بآنکہ ایک قوم کی اکثریت، ایک قوم اور ایک سوسائٹی کی حکومت دوسری قوم اور سوسائٹی پر۔ وہ آپ کو تمام ہندوستان کے اندر ایک اقلیت میں رکھنا چاہتے ہیں، آپ کو ایسے تحفظات نہیں دیئے جائیں گے جو ہندوؤں کے فوجی مفاد کے خلاف ہوں۔

خواتین اور حضرات۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ مسلمان نہ صرف اقلیت بلکہ اپنی اکثریت کے علاقوں میں بھی ہندو راج کے تحت رہیں۔ اور ان کے احکام بجا لائیں۔ جبتک مسلمان زندہ ہیں اس کو ہرگز برداشت نہیں کریں گے (نعرہ ہائے تحسین) ہندو جس قدر جلد اس ساز باز کو چھوڑ دیں اسی قدر بہتر ہوگا۔

ہندو لیڈروں کے بیانات کی بھرمار

کرسمس میں ہندو لیڈروں کے بیانات کی بھرمار اور بوچھاڑ کیوں ہو رہی ہے؟ ہندو لیڈر اپنی سیاست دانی کے زعم میں یہ سمجھتے ہیں کہ جاپان کے شریک جنگ ہونیکے بعد انگریز ایک زیادہ خوفناک کشمکش میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ برطانیہ پر اتنا دباؤ بڑھ رہا ہے اور وہ اس قدر پریشان ہے کہ کسی نہ کسی گوشہ سے مدد حاصل کرنا ضروری سمجھتا ہے، ہو سکتا ہے۔ کہ جاپانی حملہ کا مقابلہ کرنے کیلئے برطانیہ کی تیاریاں اور وسائل کافی نہ ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس وقت برطانیہ متزلزل ہے۔ اور یہ وقت ہے، کہ ایک برق رفتار شورش کا آغاز کر دیا جائے! اور یہ دباؤ ڈالکر اس سے ہندو ہندوستان کے واسطے یہ مراعات حاصل کرلیجائیں۔ انکی توقعات اس بناء پر بڑھگئی ہیں کہ حکومت ہند نے بعض اقسام کے قیدیوں کو رہا کر دیا ہے۔ اور اسوجہ سے بھی حوصلے بڑھ گئے ہیں کہ برطانوی جرائد حقیقت حال سے بیخبر ہیں۔ آپ برطانوی جرائد کو پڑھ کر ہنسے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ہندوستان کی حالت سے وہ اسقدر بیخبر ہیں۔ وہ اپنے علم و اطلاع کی روشنی میں کہتے ہیں۔ ان جرائد کے مضامین سے ہندو لیڈروں کو معلوم ہوتا ہے کہ انگریز مضطر

ہیں۔ اور یہ وقت ہمارے اقدام کیلئے موزوں ہے۔ یہ وجہ ہے کہ بیانات کی بھرمار ہو رہی ہے۔
اسی وجہ سے کانگریس ہنوز غور و خوض کر رہی ہے۔ پہلے روز باردولی میں ۹ گھنٹوں تک اجلاس جاری رہا۔ دوسرے روز پھر ۹ گھنٹوں تک بحث و تمحیص ہوتی رہی۔ اور ابھی کئی روز تک جاری رہیگی۔ یہ چالاک لوگ ہیں وہ اپنی گردن بچانے کیلئے کوئی نہ کوئی سوراخ رکھیں گے۔ آخر کیا ہوگا؟ راجگوپال آچاریہ کامیاب ہوئے تو گاندھی جی کنارہ کش ہو جائینگے لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑیگا۔ جناب گاندھی تو کانگریس کے چار آنہ والے ممبر بھی نہیں ہیں لیکن وہ ممبر نہ ہونیکی حیثیت میں کانگریس کے ممبر رہیں گے۔
اب اعلان کیا جاتا ہے کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس آئندہ جنوری کی پندرہ تاریخ کو ہوگا۔ دنیا کو بیچینی سے اس فیصلہ کا انتظار کرنا چاہیئے جو آل انڈیا کانگریس کمیٹی صادر کرنے والی ہے۔ لیکن میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ وہ فیصلہ ہم پر ذرہ برابر اثر نہیں ڈال سکتا۔

۱۳ نکات جناب گاندھی نے پورن سوراج حاصل کرنے کیلئے ۱۳ نکات مرتب کئے ہیں۔ جناب گاندھی اپنی تقریروں کا جو مطلب چاہتے ہیں بیان کر دیتے ہیں اور جو کچھ لکھتے ہیں اس کا مطلب بھی جب چاہتے ہیں اپنے حسب مُراد بتا دیتے ہیں۔ (قہقہہ) یہ حقیقت ظاہر ہے۔ جناب گاندھی فرماتے ہیں کہ پہلی شق فرقہ دار اتّحاد ہے۔ فرقہ دار اتّحاد سے ان کا مقصد یہ ہے کہ مُسلمان اطاعت قبول کرلیں اور اپنے قتل نامہ پر خود دستخط ثبت کر دیں۔ اس کے بعد اچھوت پن کو دُور کرنے کا نمبر آتا ہے اور پھر امتناع مسکّرات (اور اس معاملہ میں وہ بحثیں مختلف الرائے نہیں پائینگے) کھادی دیہاتی صنعتیں۔ دیہات کی صفائی۔ ابتدائی تعلیم۔ تعلیم بالغاں۔ تعلیم و ترقی نسواں۔ تعلیم صحت و تندرستی۔ راشٹر سبھا کا پروپیگنڈا۔ زبان کی خدمت اور اقتصادی مساوات کی باری ہے۔ سوال یہ ہے کہ اقتصادی مساوات کس کے ساتھ؟ انگریزوں کے ساتھ مسلمانوں کے ساتھ نہیں۔

میں ایک اہم ترمیم پیش کرتا ہوں وہ یہ کہ کانگرس پاکستان کو قبول کرلے اور اس طرح ۱۴ کو چودہ نکات بنادیا جائے اس سے سمجھوتہ آسان ہو جائیگا۔ جہاں تک زبان کا تعلق ہے زبان کی خدمت اور اقتصادی مساوات کے معاملہ میں ہم کانگرس سے کوئی جھگڑا نہیں کرینگے۔ ہم اپنے علاقوں میں خودمختارانہ حیثیت سے جو زبان چاہینگے بولیں گے۔ ہندوؤں کو اختیار ہے جو زبان چاہیں بولیں۔ (تالیاں)

پورن سوراج

جناب گاندھی جو چاہیں کہیں۔ آزادئی تقریر کا سوال انہوں نے ہی اٹھایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں صرف آزادئی تقریر کے واسطے لڑ رہا ہوں۔ کانگرس کے اس بڑے پروہت کا تازہ بیان پڑھیئے۔ اسکے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ حکام کو مجبور اور تنگ کرنے کا ایک طریقہ باقی تھا جو انہوں نے اختیار کر لیا۔ مقصد یہ ہے کہ حکام اس تکلیف دہ لغویت کے آگے سر تسلیم خم کردیں جسکو انفرادی ستیہ گرہ سے موسوم کیا جاتا ہے آزادی تقریر کے لئے نہیں بلکہ پورن سوراج یا کامل آزادی کے واسطے۔ جیسا کہ خود جناب گاندھی نے توضیح کی ہے۔ سول نافرمانی کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ عام امور مثلاً آزادی کے لئے کبھی اختیار نہیں کی جاتی۔ مسئلہ ایسا صاف اور واضح ہونا چاہیئے کہ آسانی سے سمجھا جا سکے اور تسلیم کرنا مخالف کے اختیار میں ہو۔

میں پوچھتا ہوں۔ آخری مقصود کیا ہے؟ آزادی تقریر نہیں بلکہ پورن سوراج۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ جناب گاندھی آزادئی تقریر کے واسطے جنگ کر رہے ہیں۔ کیا کوئی عام عقل رکھنے والا انسان یہ خیال کر سکتا ہے۔ وہ اپنے آخری مقصود کے لئے لڑ رہے ہیں۔ یہ حربہ مخالف کو ایک مسئلہ پر مجبور کردینے کا ایک طریقہ ہے۔ یہ ہے جناب گاندھی کی ستیہ گرہ کی حقیقت۔

مُسلمانوں کی بے خبری

مَیں نے یہ تصریحات اس لیے کی ہیں کہ نوجوان دوست اس ملک کی صحیح صُورتِ حال سمجھ جائیں۔ مجھے افسوس ہے کہ تعلیم یافتہ مُسلمان اور مُسلم طلباء بہت بے خبر ہیں۔ کانگرس مساعیِ جنگ کے خلاف ہے۔ وہ جنگ کے خلاف نعرے لگاتے ہیں۔ لیکن سندھ میں انہوں نے کیا کیا ہے۔ وہاں کانگرس پارٹی الہ بخش صاحب کی حمایت کر رہی ہے۔ حالانکہ الہ بخش صاحب جنگ میں مدد دے رہے ہیں۔ بلکہ نام نہاد نیشنل ڈیفنس کونسل کی رکنیت بھی قبول کر لی ہے۔ جب یہ سوال اُٹھایا گیا تو گاندھی جی نے آرام کے ساتھ اسے پارلیمنٹری کمیٹی کے حوالہ کر دیا۔ اور اس کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ سندھ کے خاص حالات ایسے ہیں کہ کانگرس پارٹی الہ بخش صاحب کی حمایت سے باز نہیں رہ سکتی۔ آسام میں کانگرس پارٹی نے کیا کیا؟ وہ چودھری صاحب کی تائید کیلئے تیار ہے جنہوں نے پُراسرار طور سے کولیشن پارٹی کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ وہ اس کی رکنیت کے باعث وزارت کے بھی رُکن تھے۔ اب ان چودھری صاحب نے ایک اور پارٹی بنالی ہے۔ کانگرس ان چودھری صاحب کی وزارت کی حمایت کے لئے تیار تھی۔ لیکن دو بلیوں میں انصاف کے واسطے بندر آگیا۔ دفعہ نمبر ۹۳ نافذ کر دی گئی۔ اب سر سعداللہ اور چودھری صاحب دونو آرام کر سکتے ہیں۔

بنگال میں کانگرس پارٹی کیا کر رہی ہے؟ فضل الحق صاحب نے جو نئی وزارت مرتب کی ہے کانگرس پارٹی اسکی حمایت کر رہی ہے۔ اور اسی کی وجہ سے فضل الحق صاحب وزارت قائم کر سکتے ہیں۔ انہی فضل الحق صاحب کے باعث لارڈ لنلتھگو صاحب یہ اعلان کر سکے کہ

"اب مجھے اس جلیل القدر وزیر اعظم کی تائید حاصل ہو گی"

وزیر اعظم بنگال اپنے عہدہ کے باعث نام نہاد نیشنل ڈیفنس کونسل کے رکن بھی ہو گئے

کانگرس ان فضل الحق صاحب کی حمایت کر رہی ہے۔
مَیں فضل الحق صاحب کو کرسمس کے تحفہ کے طور پر لارڈ لنلتھگو کی خدمت میں پیش کرتا ہُوں (تالیاں) اور گورنر بنگال کی خدمت میں نواب ڈھاکہ کو ہدیتًا پیش کرتا ہُوں۔ مَیں خوش ہوں کہ مسلم ہندوستان کو ان لوگوں سے نجات ملی۔ جو مسلمانوں کیساتھ بدترین غداری اور دغابازی کے مجرم ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی انجمن میں غداروں کیلئے کوئی جگہ نہیں۔ خواہ وہ کتنے ہی بڑے آدمی ہوں ان کو نکال دینا چاہیئے۔ اب ہم آبرومندانہ طور سے بڑہیں گے اور ان غدار قسم کے لوگوں کو خارج کر کے زیادہ طاقت حاصل کر سکیں گے۔ اب دُنیا کی کوئی طاقت بھی ہمیں آگے بڑہنے اور ترقی کرنے سے نہیں روک سکتی۔

برطانی حکومت اور مسلم لیگ

برطانی حکُومت اور مُسلم لیگ کے تعلّقات کے سلسلہ میں ہم اپنی حیثیت بار بار بیان کر چکے ہیں۔ پرسوں مَیں نے نیوز کرانیکل کو اسی موضوع پر ایک بیان دیا ہے۔ ہماری روش معقول اور منصفانہ ہے اور ایسی ہی رہے گی۔ کوئی معقول، منصف مزاج آدمی ہمیں الزام نہیں دے سکتا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہندوستان اور انگلستان کو ایک ہی خطرہ درپیش ہے اور اپنے لوگوں اور گھروں کی حفاظت کی خاطر ہم اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن حکُومت میں حقیقی اور اصل اختیار حاصل کئے بغیر ہم اس خطرہ کا مقابلہ کامیابی سے نہیں کر سکتے۔ گزشتہ دو سال کو رائگاں کرنے کی ذمّہ داری برطانیہ پر ہے اگر اس کا عمل یہی رہا۔ تو ایک دن کو مسلم لیگ کی مخلصانہ پیشکش مسترد کر دینے پر پچھتانا اور افسوس کرنا پڑے گا۔

مُسلمانوں کی وحدت اور مرکزیت

آخر میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہُوں۔ مُسلمانوں اپنے درمیان کامل اتحاد اور یک جہتی قائم رکھو۔ آپس میں لڑو گے تو کوئی تمہاری مدد نہ کریگا۔ اور تم ذلیل ہو جاؤ گے۔ اس لئے اتحاد واتفاق قائم رکھو۔ مَیں چاہتا ہُوں کہ خواہ تمہارے ساتھ کتنا ہی بڑا ظلم ہو۔ خواہ تمہاری شکایات کی نوعیت کچھ ہو۔ انفرادی اقدام نہ کرو۔ ایسا اقدام تمام مسلمانوں کے مفاد پر بُرا اثر ڈالے گا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ قانون کی نافرمانی یا مزاحمت انفرادی طور پر نہ کی جائے۔ ڈسٹرکٹ مسلم لیگ یا کسی صُوبائی مسلم لیگ کو ایسا اقدام نہیں کرنا چاہیئے۔ متحد رہو اور دیکھو کیا ہوتا ہے۔ جب آل انڈیا مسلم لیگ حکم دیگی۔ تو پہلے مَیں تمہارے دوش بدوش اقدام کرُونگا۔ اس نازک وقت میں عہد کرلو اور اپنے آپ کو اعتماد۔ اتحاد اور تنظیم کے لئے بے غرضانہ وقف کردو۔

(مُسلسل نعرہ ہائے تحسین)

قائدِ اعظم

کا

وہ خطبہ جو آپ نے "بنگال پراونشل مسلم لیگ کانفرنس" کے مکمّل اجلاس میں

بروز شنبہ بتاریخ ۱۵ر فروری ۱۹۴۲ء بمقام سراج گنج

ارشاد فرمایا۔

خواتین وحضرات! مَیں آپ کا شکر گزار ہُوں کہ آپ نے مُجھے "پراونشل مسلم لیگ کانفرنس" کی صدارت کی عزّت بخشی۔ مَیں نے آپ کی دعوت گزشتہ چند ماہ کے سیاسی نشو ونما کے پیش نظر اَور بھی زیادہ دِلی رغبت سے قبُول کی۔ آپ لوگ بنگال کے ایک سیاسی طُوفان میں سے گُزر رہے ہیں۔ مَیں آپ کو یہ بتانے آیا ہُوں کہ موجُودہ صُورتِ حالات کے متعلق میری رائے کیا ہے۔

خواتین اور حضرات! مُسلم لیگ کے مخالفین بہت ہیں۔ ہم مُسلمان حیات وممات کی کشمکش میں مبتلا ہیں (اور زندہ رہنے کیلئے جدّ وجہد کر رہے ہیں) ہم یہ حقیقت بار بار اور وضاحت کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ کہ ہم صرف اپنی قوم کی تنظیم کر رہے ہیں اور ہمیں ہندوؤں کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں۔ اور اس برِّ اعظم تحتی میں بسنے والے کسی اَور چھوٹے بڑے فرقے سے کوئی نزاع نہیں۔ نیز یہ کہ مسلم لیگ کا اوّلین اور عظیم ترین اصُول یہ ہے کہ مسلمانانِ ہند کے درجہ اور وقار اور حقوقِ سیاسی محفوظ کیئے جائیں۔ ہم ہمیشہ (اور تمام اقسام کے حالات میں صرف اپنی حفاظت کرتے رہے ہیں اور) دُوسروں کے حملوں کے مُقابلہ

میں دفاع سے آگے نہیں بڑھے اور ہمارا مطالبہ فقط یہ چلا آیا ہے کہ ہم اس ملک میں ایک آزاد قوم کے طور پر زندگی بسر کریں اور ہم پر کسی اَور فرقہ یا قوم کی حکومت نہ ہو۔ یہ حقیقت بالکل عیاں ہے کہ ہندو رہنما اپنے غرور اور فرعونیت اور مفاخرت اور ہمارے حقوق پر حملوں کا ثبوت دیتے رہتے ہیں اور اس طرح یہ حکم صادر فرماتے ہیں کہ مسلمان ہمیشہ ایک اقلیت کی حیثیت اختیار کر کے ہندوستان میں رہیں۔ چنانچہ ہم لڑتے ہیں تو صرف اُنکی اس حکمتِ عملی، پروگرام اور رعونت و حملوں کے خلاف۔ کیونکہ مسلمانانِ ہند فی الواقع ایک قوم ہیں۔ اور اسلیئے ہم ہندوؤں کے ساتھ کامل برابری کے علاوہ کسی اور حیثیت کے سامنے سر نہ جھکائیں گے۔

مَیں نے ابھی کہا کہ ہندوستان میں ہمارے مخالف بہت ہیں۔ اور برطانوی حکومت بھی ہماری خاص دوست نہیں۔ کیونکہ اس کی اپنی خاص حکمتِ عملی اور پروگرام ہے۔ جس طرح ہندوؤں کی اور جیسے ہماری۔ بات یہ ہے کہ سیاسی دُنیا کے اندر نہ انصافِ کامل پایا جاتا ہے نہ دیانتداری کا سلوک۔ کیونکہ یہاں بدقسمتی سے ہر کام میں خود غرضی رہبری کرتی ہے۔ پس ہم اگر کچھ حاصل کرنے کے خواہشمند ہیں تو ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہیئے اور محض اپنی طاقت پر بھروسہ کرنا لازم ہے۔ ہمیں اس امر کیلئے تیار رہنا ہوگا کہ ہم تنہا (بلا مدد دیگرے) خود اپنا کام اور اس کیلئے ہر قربانی کریں۔ ہندوؤں کے برابر درجہ حاصل کرنیکی راہ یہی ہے اور محض اس طرح سے ہم اس ملک میں پاکستان کی تعمیر کر سکیں گے۔

خواتین و حضرات! آئیے اب بنگال کی سیاسی صورت حال پر غور کریں۔ اور بنگال کے اُفق آسمان پر نگاہ ڈالیں۔ جس بیہودہ آئین کے ماتحت صوبائی حکومتیں مصروفِ کار ہیں ہمارا بنایا ہُوا نہیں۔ اور بنگال کے ساڑھے تین کروڑ مسلمانوں کے حق میں سخت

نامنصفی کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسکے سبب کسی کو مطعون و متّہم کرنے سے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔
بلکہ اس وقت اصل قابلِ غور و فکر بات یہ ہے کہ ساڑھے تین کروڑ مسلمانانِ بنگال کی آواز
کے مُردہ ہو جانیکے ہم خود قصوروار ہیں۔ اس کا سبب وہ قعرِ مذلت ہے جسمیں ہم نے اپنے آپ کو گرا یا
ہوا ہے۔ یہ ہے وہ شرمناک صورتِ حالات جس کے اندر موجودہ آئین وضع کیا گیا۔ اور
اس کے متعلق مسلمانوں کی رائے کی کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ چنانچہ کہنا چاہیئے کہ گویا اس
مقدمہ کا فیصلہ یک طرفہ ہوا۔

خواتین و حضرات! بنگال لیجسلیٹو اسمبلی دو سو پچاس (۲۵۰) ممبروں پر مشتمل ہے۔ ان میں
مسلمان اراکین ایک سو بائیس یا ایک سو تیئیس ہیں۔ اور ان میں "مخصوص حلقوں" کے
نمائندے شامل ہیں۔ ان اعداد سے شمار ہو گا کہ عین آغاز سے ہی ہمیں اقلیت میں رکھا
گیا۔ چنانچہ مسلم لیگ کی کوئی وزارت قائم ہی نہیں کی جاسکتی جسے استقلال اور پائداری
حاصل ہو۔ آپ خود ہی سوچیئے کہ ایک اقلیت کس طرح سے ایک معقول اکثریت کے
بغیر حکومت کر سکتی ہے؟ یہی بات پنجاب بلکہ سندھ پر بھی صادق آتی ہے۔ ان صوبوں
میں بھی مسلم لیگ کی وزارت کی تشکیل نہیں کی جاسکتی۔ وہ لوگ جو حساب کتاب کے
ضرورت سے زیادہ دلدادہ ہیں۔ اُن کا یہ جھوٹا دعوٰی ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت
کے صوبے میں مسلم لیگ والے اپنی وزارت بنانے سے قاصر ہیں۔

خواتین و حضرات! میں ۱۹۳۶-۳۷ء میں آپکی سرزمین خوابیدگاں میں آیا۔ اور
جب میں نے ڈھاکہ، میمن سنگھ اور کمیلا وغیرہ کے اضلاع کا دورہ کیا تو دیکھا کہ یہ سوتوں
کا نہیں بلکہ جہانتک درست عمل کو دخل ہے مُردوں کا علاقہ ہے۔ میں نے ایسے مسلمان
دیکھے جو ذاتی اغراض پوری کرنے کے لئے عامۃ الناس کی آرائے سے بیجا فائدہ اٹھا

رہے تھے۔ اور اُن کو بہلا پھسلا کر خود صوبائی مجالس قانون ساز کی ممبری حاصل کرنے کے درپے تھے۔ ادھر بنگال کی یہ حالت تھی اور اُدھر خود مُسلم لیگ اس وقت تک محض ایک علمی مجلس سے بڑھ کر حیثیت نہ رکھتی تھی۔ مگر اب مسلم لیگ حالات کی اصل حقیقت سے آگاہ اور خبردار ہوئی۔ اور اُس نے مسلمانوں کو منظّم کرنے اور انتخابات میں مسلم لیگ کے اُمّیدواروں کی کامیابی میں کوشاں ہونیکی ذمّہ داری اختیار کی۔ چنانچہ ایک صوبائی بورڈ بنایا گیا اور اس کے زیرِ اہتمام مسلم لیگ کے امّیدوار انتخابات کے لئے کھڑے کئے گئے۔ خوب یاد رکھئیے کہ بنگال بجائے خود ایک برّاعظم ہے۔ مگر ہماری غریب اور نوعمر جماعت اس وسیع سرزمین میں پوری ستر ۷۰ نشستیں اپنے قبضہ میں لانے میں کامیاب ہو گئی۔ اور اس طرح بنگال اسمبلی کے اندر فرداً فرداً سب پارٹیوں میں سب سے بڑی پارٹی بن گئی۔ کرشک پرو جہ پارٹی نے بھی جس کے سب سے بڑے حامی کار مسٹر فضل الحق تھے، مقابلہ انتخابات میں حصّہ لیا تھا۔ اُن کی پارٹی نے بھی چند نشستوں پر قبضہ پایا۔ مگر انتخابات کے بعد انہوں نے ازراہِ صوابدید اپنی پارٹی کو اور بعض دوسرے مددگاروں کو بھی فراموش کر دیا اور مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کر کے اسمبلی کی سب سے بڑی پارٹی کے لیڈر بن گئے۔ اُنہوں نے نہ صرف پرو جوں اور بعض دوسروں کو پسِ پُشت ڈالا بلکہ مسلم لیگ کے ممبر بنکر سارے صوبوں میں اُسی کے سیاسی دین و مشرب کی تبلیغ کی۔ اور اس دوران میں پرو جوں کے چھوٹے سے چھوٹے گروہ کو بھی اپنی جیب میں احتیاط سے رکھا۔

خواتین و حضرات! وہ وزارت جو حال میں مستعفی ہوئی تھی۔ کسی وقت بھی کامل طور پر مسلم لیگ کی وزارت نہ تھی۔ البتّہ اکثریّتِ اراکین اور تفوّق کے لحاظ سے ضرور مُسلم لیگ کی وزارت تھی۔ اور ابھی یہ برسرِ کار تھی کہ ایک نیا مسئلہ پیش آیا۔ یعنی والسرائے کی

مجلسِ منتظمہ کی توسیع کا سوال اُٹھا۔ جو حکومتِ برطانیہ کی آٹھویں اگست کی پیشکش کے نام سے مشہور رہا۔ اور اس پر آل انڈیا مُسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ نے جس کے ممبر مسٹر فضل الحق بھی تھے۔ غور کیا اور فیصلہ کیا گیا کہ یہ پیشکش نامنظور کی جائے۔ چنانچہ وہ منظور نہ کیگئی۔ اس کے بعد مسلم لیگ کونسل نے اس نامنظوری کی تائید و تصدیق کی۔ مسٹر فضل الحق کونسل کے بھی ممبر تھے۔ انجام کار خود آل انڈیا مسلم لیگ کے کامل اجلاس نے عدمِ قبولیت پر صاد کیا۔

اس کے بعد جناب وائسرائے نے صدر مُسلم لیگ کی رائے طلب کرنیکے بغیر اپنی مجلس منتظمہ کی توسیع ایک نام نہاد انڈین ڈیفنس کونسل (ہندوستان کی قومی مجلس دفاع) کی تشکیل کا فیصلہ کیا۔ یہ دونوں وُہی تھے جنہیں مُسلم لیگ رد اور نامنظور کر چکی تھی۔ پیشکش مذکور کی شرائط کے مطابق مسلم لیگ کو یہ حق حاصل تھا کہ مجلس منتظمہ کی رکنیت کیلئے اپنے دو نمائندے نامزد کرے۔ مگر وائسرائے نے خود ہی دو مُسلمان چُننے اور نامزد کئے۔ آپ تسلیم کرینگے۔ کہ اس طرح نہ صرف مُسلم لیگ کو نقصان پہنچایا گیا بلکہ اس پر توہین کا اضافہ کیا گیا۔ مَیں آپ سے پُوچھتا ہُوں کہ کوئی وضعدار جماعت یا فرد جس میں حمیّت کی کوئی رمق بھی باقی ہو ایسے حالات میں ایسی پیشکش قبول کر سکتا ہے۔ (نہیں۔ نہیں) مگر مسٹر فضل الحق نے انڈین نیشنل ڈیفنس کونسل میں اپنی نامزدگی قبول کی۔ (شرم! شرم!) اور اس سے پہلے صدر مسلم لیگ کی رائے نہ لی۔ جب یہ خبر شائع ہوئی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ بعض دیگر اشخاص نے بھی یہ تقرّر منظور کیا ہے۔ مگر سر سکندر حیات خاں اور سر سعد اللہ خاں مستحقِ تحسین و آفرین ہیں کہ اُنہوں نے مجلس عاملہ کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور ڈیفنس کونسل سے مستعفی ہو گئے۔

اب سُنئے کہ مسلم لیگ کے تیسرے یعنی بنگال کے وزیر اعظم نے (جسکی مثال کی تخلیق سے دُنیا کا ہر مُلک قاصر ہے) اس امر کیلئے مہلت مانگی کہ مَیں ڈیفنس کونسل کی ممبری سے استعفےٰ دینے یا نہ دینے پر غور کر لُوں۔ مہلت طلب کرنا اُن کی ایک منظور نظر چالبازی ہے۔ جس سے ہر شخص واقف ہے۔ جب کوئی مشکل آن پڑے تو مسٹر فضل الحق یا تو مہلت مانگتے ہیں یا بیمار ہو جاتے ہیں۔ ہماری مجلس عاملہ ایک معقول پسند، ہوشمند، ذمہ دار اور فیاض طبع جماعت واقع ہوئی ہے اُس نے دس روز کی مہلت منظور کر کے مسٹر فضل الحق کو خبردار کیا کہ اگر آپ اتنے وقت تک مستعفی نہ ہونگے تو آپ کے خلاف تادیبی کارروائی عمل میں لائی جائیگی۔ مگر بنگال کے وزیر اعظم نے بہت سی فریب کاریوں سے جس کا علم سب کو ہے کام نکالنے کی کوشش کرنے اور کامیاب نہ ہونیکے بعد انجام کار ڈیفنس کونسل سے استعفےٰ تو دے دیا مگر کیسی بُری طرح۔ اس کا ثبوت اس مکتوب سے ملیگا۔ جو انہوں نے ۸ ستمبر ۱۹۴۱ء کو سیکرٹری آل انڈیا مُسلم لیگ کو بھیجا اور جو آپ نے ضرور پڑھا ہوگا۔ اسمیں مسٹر فضل الحق نے صدر مسلم لیگ، مجلس عاملہ اور آل انڈیا مسلم لیگ سب کے خلاف غیر معقول ناجائز اور شرمناک اتہام لگائے۔ باوجودیکہ اس وقت تک اس معاملہ پر کونسل نے تو غور ہی نہیں کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے توہین آمیز اور بدنام کنندہ اتہامات کی اجازت کوئی وضعدار جماعت نہیں دیسکتی مگر مسٹر فضل الحق نے بہتان طرازی کا طریق جاری رکھا اور مُلک کے ہر وضعدار مُسلمان کیلئے صبر آزما بنے رہے۔ اور آخر کار جب کوئی چارۂ کار نہ رہا تو مسلم لیگ کا مُطالبہ اگرچہ رسمی شکل و صُورت میں نہیں۔ مگر فی الحقیقت عملاً مان لیا۔ چنانچہ ایک بار پھر اس امر کا اقرار کرنے کے بعد کہ مَیں مسلم لیگ کے حق میں وفادار ہُوں۔ اور یقین دلاتا ہُوں کہ مجھے اپنے بیان سے

صدر مُسلم لیگ یا کسی ممبر کی توہین مقصُود نہ تھی۔ ہم سے درخواست کی کہ اب یہ معاملہ اور اسکی بحث ختم کی جائے۔ اس پر مجلس عاملہ نے ایک وقیع اور باوقار جماعت کی شایانِ شان فیاضی سے کام لیا۔ مسٹر فضل الحق کی درخواست منظور کی اور بات آئی گئی ہوگئی۔ مگر ابھی اس مقدمہ کی مِثل بہ مشکل مزید غور و فکر سے دور کیگئی تھی کہ بنگال میں نہایت تعجب انگیز واقعات رُونما ہُوئے جن سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ مسٹر فضل الحق کئی ماہ سے نہایت تفصیل اور تکمیل کے ساتھ بعض تیاریاں کر رہے تھے۔ (جن سے مقصد یہ تھا کہ مسلم لیگ کی قیادت کی قید و بند سے آزاد ہو جائیں اور بنگال اسمبلی میں اپنی وزارت کے قیام و دوام کیلئے اُس پارٹی کے محتاج نہ رہیں جسمیں مسلم لیگ کو فوقیت حاصل تھی) اسکی کیفیت یہ ہے کہ مسٹر فضل الحق اُس پارٹی کی تعمیر و تشکیل کر رہے تھے۔ جس کا نام فریق ترقی (پروگریسو گروپ) رکھا گیا اور جس کے لیڈر وہ خود بنے۔ یاد رہے کہ اس دوران میں وُہ آل انڈیا مُسلم لیگ کے ممبر تھے۔ صوبائی مسلم لیگ کے صدر تھے۔ اسمبلی کے اندر ممبرانِ مُسلم لیگ کے لیڈر تھے اور اجتماعی (کولیشن پارٹی) کے بھی لیڈر تھے۔ مسٹر فضل الحق نے اپنا مطلب حاصل کرنیکے لئے ایک اور کام یہ کیا کہ بنگالی زبان میں ایک روزنامہ بنام "ناوا جوگ" شائع کرنے لگے۔ اور اس پر جلی حروف میں یہ الفاظ لکھے۔ زیر اہتمام مسٹر اے کے فضل الحق۔ اس اخبار کی حکمت عملی یہ تھی کہ مسلم لیگ کو گالیاں دے اور اس کے اغراض و مقاصد کو بُرا بتائے۔

موجُودہ وزارت کی پیش رو وزارت کے مستعفی ہونیکے بعد۔ مسٹر فضل الحق نے بذاتِ خود چل پھر کر اپنی حمایت و اعانت کے لئے ممبرانِ اسمبلی کے دستخط جمع کرنے شروع کئے۔ اور جب ایک سو اُنیس ممبروں کے دستخط جمع ہوگئے تو گورنر کی خدمت میں التماس کی کہ

مجھے پروگریسو پارٹی کے لیڈر کی حیثیت میں ترتیب وزارت کا کام تفویض کیا جائے - یہ پارٹی مختلف النوّع اقتصادی اور سیاسی خیالات کے لوگوں پر مشتمل تھی جن کے اغراض و مقاصد میں اکثر تضاد پایا جاتا تھا - اور اسکی تخلیق ایک تازہ ترین شے تھی - جس سے مقصد یہ تھا کہ مسلمان ممبروں کی یک جہتی تباہ کی جائے اور ان کی جماعت میں فتور ڈالا جائے - مَیں نے آپ کو جملہ تفصیلات سے تو آگاہ نہیں کیا - مگر جو کچھ کہا ہے اس کے پیش نظر آپ سے فیصلہ طلب کرتا ہُوں - کیا یہ ساری کوشش جو مسٹر فضل الحق نے کی اس امر کے برابر نہیں کہ اُنہوں نے نہ صرف مسلم لیگ سے غداری کی بلکہ مسلمانان بنگال و ہند سے بھی دغا بازی روا رکھی ؟ اس کے علاوہ اس عمل سے اُنہوں نے اس اجتماعی فریق (کولیشن پارٹی) کے حق میں بھی دغا بازی اور غدّاری سے ہی کام لیا - جس کے لیڈر وہ ساڑھے چار سال تک رہے تھے - (اور جس کے بل بوتے پر وہ وزیر اعظم بنائے گئے تھے) -

آئیے اب ہم اس امر کے سمجھنے کی کوشش کریں کہ اس نازک وقت، اس آزمائش کی گھڑی میں جو طریق کار اختیار کیا گیا تھا - کیا ہم یقین کر سکتے ہیں کہ گورنر اصل واقعات سے باخبر نہ تھا ؟ یا اُسکو بھی احوالِ واقعی سے اتنی ہی آگاہی تھی جتنی ہمیں تھی ؟ ہمارے پاس محکمۂ مخبری نہیں - مگر گورنر کے پاس ہے - گورنر نے اُس دستور پر (جسے ایک بہت بڑی حد تک قانون کی قوّت حاصل ہے) عمل نہ کیا جو برطانوی پارلیمان میں مرّوج ہے - اُس نے اسمبلی کی سب سے بڑی اکیلی پارٹی کے لیڈر کو تشکیل و ترتیب وزارت کی دعوت نہ دی - بلکہ ایک ایسے شخص کو اس کام کے لئے بلایا جو حکومت بنگال کا افسر اعلیٰ ہونے کے وقت بھی سازشیں کرتا رہا تھا - جو اپنی ٹوپی ہاتھ میں لئے اور اُسے

کاسۂ گدا گری بنائے مہروں کی مدد و معاونت طلب کرتا رہا تھا تاکہ ان کی تائید اور سہارے کی بنا پر اُسے گورنر یہ کام سپرد کرے۔ بلکہ اُس نے گورنر کے پاس سپردگی کیلئے درخواست کی تھی۔ ہاں ایک ایسا شخص جس کا یہ سارا عمل میری رائے میں ایک ایسے شخص کے لئے نادرست، ذلت آمیز اور احترام و وقار کے منافی تھا۔ مَیں اصرار کے ساتھ کہونگا کہ ایسے طریق عمل کی حوصلہ افزائی دُنیا بھر کے اندر کسی پارلیمانی نظام حکومت میں نہیں پائی جاتی۔ دستخط آسانی سے دستیاب نہیں ہوتے۔ ان کے لئے بعض اقرار کرنے پڑتے ہیں۔ جو اراکین مجلس قانون ساز کو کسی نہ کسی شکل میں رشوت دینے کے برابر ہوتے ہیں۔ "فریق اجتماعی" یعنی کولیشن پارٹی ٹوٹ چکی تھی۔ اس لئے اس وقت اسمبلی کے اندر بلاشبہ سب سے بڑی اکیلی پارٹی مسلم لیگ پارٹی تھی۔ گورنر کو سب سے پہلے اس کے لیڈر سے پوچھنا چاہیئے تھا کہ آپ وزارت بنا سکتے ہیں یا نہیں۔ سر ناظم الدین ایک ذمہ دار شخص ہیں اور ان کی شہرت بے داغ ہے۔ آئین حال کے عمل دخل سے پہلے وہ بڑے بڑے ذمہ دارانہ عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں۔ موجودہ آئین کے آغاز سے لیکر وزارت کے استعفے تک اہم ترین وزارتِ داخلہ (ہوم منسٹری) ان ہی کے قبضے میں رہی ہے۔ ملکی کاروبار میں ان کی زندگی کا ہر عمل کامیاب اور بے داغ رہا اور ان کی دیانت اور ذمہ داری کا ثبوت بہم پہنچاتا رہا۔ یہ فیصلہ سر ناظم الدین کو کرنا تھا کہ وہ ترتیب وزارت کی تفویض قبول کریں یا نہ کریں۔ اگر وہ گورنر سے کہتے کہ ہاں مَیں یہ کام کردوں گا لیکن ناکام رہتے یا عدم اعتماد کی قرارداد سے شکست کھاتے تو اس کے معنے یہ ہوتے کہ لیگ کا جنازہ نکل گیا۔ نہ کہ گورنر کا۔ جو اُس نے اُن کو یہ موقعہ ہی نہ دیا کہ وُہ لیگ کے جنازے سے دوچار ہوتے اور اس کے بجائے ایک ایسے شخص (مسٹر

فضل الحق) کو دعوت دی۔ جس کے ہاتھ میں ایک سو انیس اراکین کے تائیدی دستخط کی حامل ایک عرضی تھی جو نہ صرف خلاف "دستورِ" حکومت پارلیمانی تھی اور شیوہ گداگری سے مرتب کیگئی، بلکہ خدا ہی کو علم ہے کہ کن حیلوں اور ترکیبوں سے دستخط حاصل کئے گئے تھے۔ یہ شخص بھی با ایں ہمہ ادعائے برتری اپنے کابینہ کے لئے وزیروں کی مکمل فہرست نہ صرف گورنر بلکہ اس کے بعد مجلس کی خدمت میں نہ پیش کر سکا حالانکہ اُسے کافی وقت دیا گیا تھا۔ یہ فہرست کتنی ہی قسطوں میں مہیا کی گئی۔

آج حکومت بنگال نو وزیروں پر مشتمل ہے۔ مجھے حیرت نہ ہو گی اگر مسٹر فضل الحق اس تعداد کو ایک مضحکہ انگیز حد تک بڑھاتے چلے جائیں اور اس طرح وزارت عظمیٰ کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ جب میں کلکتہ میں آیا تو اخبارات میں موجودہ وزارت کے ایک تمسخر انگیز اقدام کا حال پڑھا۔ معلوم ہوا کہ حکومت تیرہ حکمبردار (وہپ) مقرر کر رہی ہے۔ (آوازیں:۔ تیرہ ۱۳ نہیں سترہ ۱۷) جب میں کلکتہ میں تھا تو یہ تعداد تیرہ تھی۔ اب میرے سراج گنج پہنچتے پہنچتے اس کا سترہ ہو جانا عجیب نہیں۔ مگر خدا ہی جانتا ہے کہ ابھی اور کتنے وہپ مقرر کیئے جائیں گے۔ مَیں گورنر سے پوچھتا ہوں کہ آپ ہی انصاف سے بتائیے کہ ایسی مثال کہیں مل سکتی ہے؟ کیا دنیا بھر میں کبھی کسی حکومت نے محض دو سو پچاس اراکین کے ایوان میں سترہ وہپ مقرر کئے ہوں اور انکی ضرورت پڑی ہو؟ کیا اُن کے اپنے ملک انگلستان کی پارلیمان کے اندر سترہ وہپ ہیں حالانکہ اراکین چھ سو سے زائد ہیں۔

(نمائندگان عامہ پر مشتمل ذمہ دار مجالس قانون ساز میں پارلیمانی سیکرٹری (ناظم) اور وہپ یعنی حکمبرداران فریق مختلف ہوا کرتے ہیں جو خاص وقار و اختیار کے بنائے جاتے

ہیں۔ اور یہ عہدے بہت قابل قدر اور لائق حصول متصور ہوتے ہیں۔ "مترجم")

مجھے معلوم نہیں کہ کتنے پارلیمانی سیکرٹری مقرر کئے جائینگے۔ مگر ہمارا یہ قیاس غالب ہونا چاہیئے کہ انکی تعداد ضرور سترہ تک پہنچ جائیگی۔ اس طرح وزیروں اور پارلیمانی سیکرٹریوں اور وہپوں اور چند دیگر عہدہ داروں کے سمیت ایسے پورے پچاس عہدہ دار جمع کر دیئے جائیں گے جو مجلس قانون ساز میں وقار و اقتدار اور سرپرستی کے اختیار کے مالک براہ راست ہونگے اور اس وجہ سے متفق و متحد ہونگے۔ چنانچہ مسٹر فضل الحق کے ایکسوانیس حامیوں سے پچاس اشخاص محض اور فقط اپنے عہدوں کے سبب سے ہمیشہ اُن سے وابستہ رہیں گے۔ آج صُوبہ بنگال میں برسرکار وزارت کی یہ ہیئت ہے۔

اب مَیں ایک اور اہم بات کو توجہ دیتا ہوں جو صوبہ بنگال کے مسلمانوں پر بڑی شدت کے ساتھ موثر ہے۔ مجلس قانون ساز میں مسلم لیگ پارٹی کو حزب مخالف (آپوزیشن پارٹی) کی حیثیت حاصل ہے اور جبتک موجودہ آئین عمل پذیر رہے گا اسی کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ جب چاہے مسلمان اراکین اور مسلمان رائے دہندگان کی خدمت میں اپیل کرے اور اُن سے حکومت برسرکار کی بداعمالیوں کا علاج طلب کرے۔ ہم ہندوؤں کے کاموں میں مخل نہیں ہیں۔ ہم فقط اپنے لوگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ کیا ہم کو اس بات کا حق نہیں؟ ہم اپنے رائے دہندگان کو مسٹر فضل الحق کی دغابازی سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں اور اس کا ثبوت دینا چاہتے ہیں کہ کس طرح بنگال کا وزیراعظم مسلمانان صُوبہ اور اسلامیان ہند کو بے اندازہ نقصان پہنچا رہا ہے۔ ہمارا مدعا حق گوئی ہے۔ مگر مسٹر فضل الحق کو اس سے نفرت ہے۔ ہم رائے دہندگان سے مُطالبہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے منتخب نمائندوں سے کہیں کہ ہوش میں آئیں کیونکہ اس وقت اُن کے ہاتھوں سے مسلمانوں کے اغراض

و مقاصد پر مہلک ضرب لگ رہی ہے۔ اس قسم کی اپیل کرنا ہمارا حق ہے اور یقیناً کسی کو اس پر اعتراض نہ کرنا چاہیئے۔ کسی ملک میں بھی جہاں آئینی حکومت عمل پذیر ہو کسی کو اس بنیادی حق سے محروم نہیں رکھا جاتا۔ مگر یہاں کیا ہو رہا ہے؟ ہمارے حامیوں پر تشدد کیا جاتا ہے۔ اُن کے خلاف فوجداری مقدمے دائر کئے جاتے ہیں۔ اور اس ملک کے قوانین تعزیرات سے ناجائز فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔ قانون دفاعِ ہند (ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ) جسکے استعمال کی اجازت دینا صرف خاص حالتوں میں منشائے حکومت ہے۔ کھُلے بندوں بیجا عمل میں لایا جا رہا ہے۔ مَیں حیران ہُوں کہ کیا کہوں کیا بنگال میں آئینی حکُومت کا راج ہے یا مطلق العنانی کارفرما؟ یہ گورنر کی ذمہ داری ہے کہ وزیروں کو اپنے اختیارات کا بیجا استعمال نہ کرنے دیں اور جس قدر جلد گورنر بنگال اس بات کو توجہ دینگے صُوبے کے امن و امان کے لئے بہتر ہوگا۔ وزیر اعظم بنگال ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں کہ ہم صُوبے کے مسلمان رائے دہندگان سے اس قسم کی اپیل نہ کرسکیں۔ مسٹر فضل الحق کو باقی سب لوگوں سے بڑھ کر اس بات کی ضد ہے کہ بنگال کے قریباً ننانویں فیصدی مُسلمان ان کے خلاف ہیں۔ کیونکہ اُنھوں نے اسلامی اغراض و مقاصد سے غدّاری کی۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں اپنا اور ہمارا معاملہ مسلمانوں کے سامنے رکھنے کا حوصلہ نہیں۔ چنانچہ وہ ہمیں روکنا چاہتے ہیں۔ مگر ہم راست گوئی سے کام لے رہے ہیں۔ اور وہ دروغ گوئی سے۔

مسٹر فضل الحق ہماری آئینی تحریک ناراضی (ایجی ٹیشن) کو قانونِ دفاع ہند اور دیگر قوانین تعزیرات کے بیجا استعمال سے دبانے کے درپے ہیں۔ مَیں اس پلیٹ فارم سے اپنی کامل ذمہ داری کا احساس رکھتے ہُوئے مگر خفیف ترین تامّل کے بغیر کہتا ہُوں کہ اگر

جناب گورنر دخل نہ دینگے اور اس شرمناک حکمت عملی پر عمل جاری رہا تو بنگال میں ایک ایسی حالت رُونما ہوگی جسے بنگال کی موجودہ پست اور نالائق حکومت نے بھی نہ دیکھا ہوگا - اور جسکی مثال برطانوی راج کی تاریخ میں نہ ملیگی - ہم اس بدبخت وزارت سے ہرگز ہرگز نہ دبیں گے اور نہ اس کے ہاتھوں اپنے پر ظلم وتشدد ہونے دینگے - یہ وزارت مسلمانوں کی نمائندہ نہیں ہے اور اس کا وزیر اعظم اور دوسرے مسلمان وزیر مسلمانوں کے اعتماد سے عاری ہیں جسے وہ بطور تاوان وجرمانہ کھو چکے ہیں - مجھے یہ بھی امید ہے کہ جناب وائسرائے جلد ہی بنگال کی نئی صورتِ حالات سے آگاہ ہو جائیں گے -

اگر کوئی فریق ہمارے اس بیان کو غلط ٹھیرانے کا دعویدار ہو کہ ہم مُسلم لیگ کے پیرو کار ہی صرف وہ لوگ ہیں جو مسلمانانِ ہند کے اصلی نمائندے ہیں تو اس اسمبلی کو توڑ دیجئے اور نئے انتخابات کیجئے - پھر آپ کو ثبوت مل جائیگا کہ ہمارا تقاضا اور دعوٰے بلا مبالغہ درست ہے - میرا یہ لازمی فرض تھا کہ اپنے بعض نہایت اہم اور موعودہ کاموں کو چھوڑ کر بنگال میں آؤں اور یہاں کے مسلمانوں کو احوال واقعی سے باخبر کر کے اُن سے اپیل کروں کہ حالات کی درستی کا فرض انجام دیں - کیونکہ یہ آپ کے اختیار میں ہے - اتحاد سے کام لیا جائے تو مُسلمان جو چاہیں حاصل کر سکتے ہیں - مسٹر فضل الحق اور انکی وزارت کو شکست دینا تو کوئی بڑی بات نہیں - مجھے اس بات کا پُورا علم نہ تھا کہ بنگال کے مسلمان مسٹر فضل الحق کے داؤں گھات اور اُس سے پیدا ہونے والے خطرات سے آگاہ ہیں - اس لئے میں یہاں آیا اور یہ دیکھ کر خوش ہوں کہ ننانوے فیصدی مسلمانوں کو اس چالبازی کا احساس ہے اور وہ مسلم لیگ کے حامی ہیں - اس کا ثبوت آج سراج گنج کے اس جلسہ نے مُہیا کیا ہے جس میں صوبہ بھر کے مسلمان جمع ہیں - مجھے یقین ہے کہ بنگال کے مُسلمان بڑے استقلال

خاطر جمعی اور پامردی کے ساتھ اپنے اس عظیم الشان جھنڈے کے نیچے دادِ اتحاد دینگے۔ اور مجھے یقین ہے کہ فتح اُن کے قدم چومے گی۔

مُسلم لیگ کا وجُود وزیروں اور وزارتوں کیلئے نہیں۔ بلکہ اسکے خلاف وزیروں اور وزارتوں کی بقاء کا انحصار مسلم لیگ کی خوشنودی پر ہے۔ مَیں اس حقیقت سے سب کو خبردار کرتا ہُوں کہ ہم کسی شخص کو وزیر بننے کیلئے مُسلم لیگ کی طاقت اور اثر و رسُوخ سے بیجا فائدہ نہ اُٹھانے دیں گے اور نہ ذاتی اغراض کی بار آوری کیلئے مسلم لیگ کا استعمال بطور زینہ ہونے دینگے۔ مَیں اس بات کی تکرار کرتا ہُوں اور آج ہمیشہ کیلئے اعلان کرتا ہُوں کہ کوئی شخص ہمارا مطلب سمجھنے میں غلطی نہ کرے اس قسم کی کوشش میں چاپلوسی اور خوشامد کرنیوالا آدمی پیشتر اس کے کہ ایک قدم بھی آگے بڑھائے پیچھے دھکیل دیا جائے گا۔

خواتین و حضرات! مَیں بنگال کی نسبت کافی عرض کر چکا ہُوں۔ اب میں بعض دُوسرے اہم اُمور کیطرف رُخ کرتا ہُوں۔ ہمیں ان اُمور پر بھی غور کرنا ہے جو سارے ہندوستان سے متعلق ہیں اور بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اگر مَیں ان کی نسبت اپنی رائے کا اظہار نہ کرُونگا۔ تو اپنے فرائض سے غافل قرار پاؤنگا۔ جہاں تک کانگرس کو دخل ہے۔ میری رائے میں، اب ان لوگوں کی زبان اور لب و لہجہ میں نسبتاً کم حملہ آوری اور رعُونت ہے۔ مسٹر راجگوپال آچاریہ کی تازہ تقریروں کو ہی دیکھئے۔ مَیں اُن کا مطلب اپنے الفاظ میں بیان نہیں کرتا بلکہ خُود اُنکے بیانات میں سے لیکر ایک اقتباس پیش کرتا ہُوں۔ اُنھوں نے میری تعریف و توصیف بھی کی ہے اس کے لِئے مَیں اُن کا شکر گزار ہُوں، ہاں تو وہ فرماتے ہیں:۔

"برطانوی حکومت اور اہل ہند اور بڑی بڑی سیاسی جماعتیں (جنکے صدر مہاتما گاندھی

اور قائدِ اعظم جناح جیسی پُر جلال شخصیتیں ہیں) اِن تینوں کے مابین کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا۔
یہ دو حضرات کوئی معمولی افراد نہیں۔ دونو ہمسر کے برابر مشہور و معروف ہیں اور دونو کو
ملک بھر میں بے حد و حساب ہر دلعزیزی حاصل ہے۔ ہر ایک کے پیرو کار اندھا دھند اسکی پیروی
کرتے ہیں۔ اچھا ایسا ہی سہی مگر یہ حقیقت ہے کہ یہ پیرو کار سچے مقلد ہیں"

خواتین اور حضرات! مسٹر راجگوپال آچاریہ کے الفاظ "سچے پیرو کار" کو نگاہ میں رکھیے
وہ تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کے صدر کو سچے پیرو کار حاصل ہیں۔ مجھے فخر ہے کہ مسٹر راجگوپال
آچاریہ نے یہ بات تسلیم کر کے مجھے معزز فرمایا۔ وہ اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے
ہیں :۔

اس وقت ہمارے ملک میں ہم ہندوستانیوں کی دو طاقتور اور منظم جماعتیں ہیں ایک
ہندوؤں کی اور دوسری مسلمانوں کی۔ دونو ہر دلعزیز ہیں۔ دونو موجودہ حکومت سے
برسرِ جنگ ہیں اور اس لئے حکومت کے اُن کاموں سے بھی جو زیرِ عمل ہیں۔

یہ ہیں حقائق - یہ ہیں امور واقع "

یہ پہلا موقع ہے کہ صفِ اوّل کے ایک کانگرسی لیڈر نے حوصلے سے کام لیا اور صاف طور
پر تسلیم کیا کہ کانگرس ایک ہندو جماعت ہے۔ واقعی اُن کا بیان صداقت پر مبنی ہے۔
مَیں مسٹر گاندھی سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ راستی کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں اور اس حقیقت
کا اعلان کر دیں کہ کانگرس ہندوؤں کی اور مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ محض
اس صورت میں ہم امید کر سکتے ہیں کہ دونو جماعتیں بحیثیت مساوی سے ایک دوسرے
سے ملینگی۔ اگر یہ نہیں ہو سکتا تو دیگر کسی قسم کی شرائط پر وہ کبھی مل نہیں سکتیں۔

خواتین و حضرات! اب مَیں پاکستان کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ ہم نے پاکستان کے

خلاف بہت سے دلائل سُنے ہیں مگر ہم مسٹر جواہر لال نہرو کے تازہ ترین بیان میں کیا پاتے ہیں۔ وہ ہمیشہ بین الاقوامی نگاہ سے ہر معاملہ پر غور کرتے ہیں۔ اور اپنے ہمراہِ کار کانگریسیوں اور دُوسرے ہندو لیڈروں کے اُن ذلیل دلائل کی تکرار نہیں کرتے جنکو سُنتے سُنتے ہم تنگ آ گئے ہیں۔ مسٹر جواہر لعل کو الِفٔ ہند کے پہلو سے بھی نہیں سوچتے۔ اُن کے نزدیک ہندوستان کی کوئی ہستی ہی نہیں۔ مَیں اُن کی دُوسری ماہِ رواں کی تقریر سے ایک اقتباس پڑھتا ہُوں :۔

" مَیں حیران ہُوں کہ مُسلم لیگ کس طرح تقسیم ہند اور ایک جُدا مملکت کی تعمیر کی خواہشمند ہے جبکہ چند اسلامی ممالک جو الگ الگ آزاد حکومت رکھتے تھے اپنی آزادی کھو چکے ہیں۔ وہ لوگ جو تقسیم چاہتے اور اس پر بحث کرتے ہیں۔ ان واقعات کی طرف سے جو اس وقت دُنیا میں حادث ہو رہے ہیں حقیقت میں آنکھیں اور کان بند کئے بیٹھے ہیں اور جنگ سے سبق لینے سے مُنکر ہیں۔ مَیں حیران ہُوں کہ ہندوستان کے اندر کس طرح ایک اکیلی مُسلم مملکت قائم رہ سکے گی۔ جبکہ آج دُنیا میں بڑی بڑی قوموں کو یہ قوت حاصل نہیں "۔

خواتین و حضرات! اب مَیں اس نزاع اور بحث کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں جو اس وقت ہندوستان کے آئین مستقبل کے متعلق جاری ہے۔ عملی لحاظ سے اہم ترین امر فیصلہ طلب یہ ہے کہ آج اس [illegible] کیا کیا جائے۔ اس کے متعلق صُورت حال یہ ہے کہ ایک طرف برطانوی حکو[illegible] پیشکش ماہ اگست کو بڑی مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے۔ اس اعلان کے دو حصے ہیں۔ ایک حصے میں ملک معظم کی حکومت نے ہندوستان کے آئندہ آئین کے متعلق اپنی حکمت عملی واضح کی ہے۔ دُوسرے حصے میں بیان کیا ہے کہ کس طرح دورانِ جنگ میں عارضی طور پر وائسرائے کی مجلس منتظمہ میں ہندوستانی اراکین

کا غالب عنصر شامل کرنے کیلئے اسکی توسیع کی جائیگی اور بڑی بڑی سیاسی پارٹیوں کو دعوت دی جائیگی کہ وہ کسی کونسل کے لئے اپنے نمائندے بھیجیں۔ لیکن جب اس پیشکش کو عمل میں لانے کا وقت آیا تو کانگرس نے قطعی طور پر اعلان کیا کہ ہم مرکزی حکومت ہند اور صوبائی حکومتوں میں بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل میں حصہ نہ لینگے جبکہ یہ تبدیلیاں موجودہ مروجہ آئین کی حدود کے اندر رہ کر کیجائینگی۔ اسی طرح اہل کانگرس نے ملک معظم کی تجویز کے بنیادی اصول کو نامنظور کیا۔

اس وقت ہندوؤں کی متعدد دوسری سیاسی جماعتیں موجود ہیں۔ یعنی ہندو مہاسبھا۔ لبرل[1] فیڈریشن اور نان پارٹی کانفرنس جو اب سپرو کانفرنس کہلاتی ہے۔ یہ سب کے سب ہندوؤں کے ادارات ہیں اور مختلف بھیس بدل کر اور مختلف نام اختیار کر کے یہ لوگ کانگرس کے کارندے ہیں۔ اور اسکی طرف سے چوکیداری اور تفتیش حال کا کام کرتے ہیں۔ چنانچہ یوں سمجھیئے۔ کہ ایک بھائی کانگرسی روپے میں سے سولہ آنے کا مطالبہ کرتا ہے تو دوسرا بطور آغاز پندرہ آنے مانگتا ہے۔ پھر تیسرا کہتا ہے کہ نہیں بھئی چھوڑو یہ جھگڑا۔ مجھے بارہ آنے ہی دے دو تو سر دست بہت ہیں۔ غرض اس طرح یہ سیاسی کھیل جاری ہے۔ مگر سب کا مقصد واحد ہے۔ اگر وہ سامنے ہو کر حملہ کر نیمیں کامیاب نہیں ہوتے تو پچھلے دروازہ سے داخل ہوتے ہیں۔ یعنی اپنی حکمت عملی کا بھیس بدل کر اسے نئے رنگ میں پیش کرتے ہیں اور قومی حکومت مانگتے ہیں۔ یہ لوگ

---

[1] واضح ہو کہ اس وقت تک "لبرل پارٹی"، کے صحیح برطانوی مفہوم و منشاء کے اظہار کے لئے جسکی آئینہ داری اصولاً ہندوستان کے لبرل اپنی فیڈریشن کی تشکیل کے وقت کرنا چاہتے تھے کوئی اردو اصطلاح جو اُن خاص معانی پر حاوی ہو مروّج نہیں ہوئی اور خود برطانی پارلیمان میں لبرل پارٹی چھ سو سے زائد اراکین میں سے محض دو چار اراکین پر مشتمل ہو کر رہ گئی ہے۔

پاکستان کی تجویز و تحریک کی تباہی کیلئے تمام چال جو اُن سے ممکن ہوں پھیلانے کیلئے تیار ہیں۔ میں دعویٰ کرتا ہوں کہ وہ کامیاب نہ ہونگے۔ اب اسلامی ہند بیدار ہو گیا ہے اور راسخ الارادہ۔
یہ سب ہندو ادارے بڑی سرگرمی کے ساتھ اس خیال کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ کہ مرکزی حکومت میں وزیروں کا ایک ایسا کابینہ مرتب کیا جائے جو تاج برطانیہ کے سامنے ذمہ دار ہو۔ بظاہر ایسی ذمہ داری اور اسکے مقابلہ میں مجلس قانون ساز کے سامنے ذمہ داری کے مابین چنداں فرق نہیں ہے (مگر حقیقت میں بہت بڑا) یہ ایک چال ہے جو ناراستی اور دغا بازی پر مبنی ہے۔ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ فریب کاری سے اپنا مطلب حاصل کیا جائے۔ ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ وائسرائے کبتک اپنے کابینہ (جو تاج کے سامنے ذمہ دار ہے) کی کثرت رائے کے فیصلے کے خلاف عامل ہو سکتے ہیں۔ (جب وہ دیکھیں کہ مصلحتِ ملکی کا تقاضا یہی ہے) اگر وائسرائے اس قسم کے عمل پر اصرار کریں گے تو اظہار ناراضی کیلئے ایک فلک شگاف شور بلند کیا جائیگا کہ دیکھئے اکثریت پر کتنا ظلم ہو رہا ہے۔ اور وائسرائے کس طرح اپنی طاقت کا بیجا استعمال کر رہے ہیں۔ پھر پراپگنڈا اختیار کیا جائیگا جو بے قابو آگ کی طرح پھیلے گا اور کہا جائیگا کہ خودسر "نمائندۂ تاج" (یعنی وائسرائے) ہندوستانیوں کی رائے کو پس پشت ڈال کر اس کی بے حرمتی کر رہا ہے۔ مگر واضح ہو کہ ہندوستانیوں سے صرف ہندو مراد ہیں۔ اس کے بعد منطقی لحاظ سے دوسرا قدم یہ ہوگا کہ کابینہ کی ذمہ داری تاج برطانیہ کے بجائے مجلس قانون ساز کے سامنے کر دی جائیگی اور اس طرح سارے ملک پر اقتدار حاصل کیا جائیگا اور مسلمانوں کو ایک اقلیت کی حالت میں رکھا جائے گا۔

جہاں تک برطانوی حکومت کا تعلق ہے۔ وہ آج تک پیشکشِ اگست پر قائم ہے۔ وہ اس سے آگے بڑھنے کے لئے تیار نہیں۔ کانگریس نے پیشکش رد کر دی ہے۔ ہماری کیفیت یہ

ہے کہ ہم نے اسے اصولاً قبول کر لیا ہے مگر جب ان تجاویز پر عمل کرنے کا وقت آیا تو یہ ایک ایسی حد تک بے اثر اور کم کر دی گئیں جسے کوئی معقول پسند اور وضعدار جماعت قبول نہیں کر سکتی۔ چنانچہ ہم نے اس رائے کا اظہار ایک سے زیادہ بار کر دیا ہے۔ کہ ہمیں نہ صرف مرکز بلکہ صوبوں میں بھی ایسا حصہ دیا جائے جو حقیقت میں حصہ کہلانے کا مستحق ہو۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ آج کانگرس ہندوؤں کی متحدہ ٹھوس رائے کی نمائندگی کرتی ہے اور اگر یہ جماعت اس پیشکش کا بنیادی اصول ہی رد کر دے تو دوسرا قدم جہانتک کانگرس کو دخل ہے کس طرح اٹھایا جا سکتا ہے۔ اہل کانگرس کو چاہیئے کہ پہلے اصول قبول کریں۔ جس سے باہمی مشاورت اور تعاون کا موقع اور امکان پیدا ہو گا۔ صرف اس طرح ہم ایک دوسرے کی معاونت سے ایک خوشگوار حل اختراع کر سکیں گے۔ یہ ہے وہ طریق کہ وہ اپنی کہیں تو ہم سنیں اور جو کچھ ہم کہیں وہ سنیں۔

خواتین و حضرات۔ میں اب خاتمہ کلام کے وقت مسلمانانِ بنگال کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ استقلال، پامردی، اتحاد اور کامل یکجہتی کے ساتھ مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے قدم جمائے رکھیئے۔ اپنے آپ کو تیار کیجئے۔ پھر یقیناً فتح آپکی ہو گی۔ آئیے ہم اس امر کا اعلان کریں کہ ہمارے خلاف زبردستی اور دباؤ۔ ظلم اور تشدد اور فوجداری مقدمات کچھ کام نہ دیں گے۔ ان سب کی شدت چاہے کتنی ہو ہم اپنے ارادے سے منحرف نہ ہونگے۔ اور نہ اپنی منزلِ مقصود کی راہ سے بے راہ۔

آخر میں میں اس موقع پر ارباب اختیار و اقتدار کو سچے دل سے خبردار کرتا ہوں کہ اگر وہ اس حکمت عملی کو جاری رکھنے پر اصرار کرتے چلے جائیں گے جو انہوں نے گزشتہ مہینوں میں بنگال کے اندر مسلم لیگ کے خلاف اختیار کر رکھی ہے تو وہ نہ صرف صوبہ

بنگال بلکہ سارے ہندوستان میں ایک ایسی حالت پیدا کر دیں گے جسکے برابر کوئی مثال تاریخ میں نہ ملے گی۔ یہ لوگ اچھی طرح سے سمجھ لیں کہ ہم محض باتوں پر اکتفا نہیں کریں گے۔ بلکہ سختیوں کا مقابلہ کریں گے۔ مَیں ان کو تنبیہہ کرتا ہُوں کہ وہ اس معاملہ کے قطعی فیصلے پر ہمیں مجبور نہ کریں۔ ورنہ وہ پچھتائیں گے۔ (اور اس نامبارک دن پر آنسو بہائیں گے جبکہ اُنہوں نے یہ کام کیا)۔

قائداعظم

کا

وہ خطبہ جو آپ نے "آل انڈیا مسلم لیگ" کے انتیسویں (۲۹) سالانہ اجلاس میں

بروز شنبہ، بتاریخ ۴ اپریل ۱۹۴۲ء بمقام الہ آباد ارشاد فرمایا

خواتین و حضرات! مَیں سچے دل سے آپ کا شکر گزار ہُوں کہ آپ نے ریلوے اسٹیشن پر بڑی دُھوم دھام سے میرا استقبال کیا۔ مَیں یہ حقیقت اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتا ہُوں کہ مسلم لیگ ہر مہینے اور ہر سال راہِ ترقی پر تیز رفتار ہے۔ مَیں آل انڈیا مُسلم لیگ کا بھی شکر گزار ہُوں کہ اُس نے اس برس مجھے اپنا صدر انتخاب کر کے معزّز فرمایا۔ مَیں ان تمام کارکنوں اور عہدہ داروں کو مبارک باد کہتا ہُوں جو گزشتہ تین ماہ میں متواتر ان تمام تیاریوں کے لئے محنت کرتے رہے ہیں جو آج ہمارے سامنے ہیں۔ مَیں آپ کو بتاتا ہُوں کہ ہماری طاقت روز بروز بیش از بیش ہو رہی ہے اور ہم اپنی تنظیم کی قوت اور کاروبار کے اہتمام و انصرام میں ترقی کر رہے ہیں۔

ہم گزشتہ برس اپنے سالانہ اجلاس کے لئے مدراس میں جمع ہُوئے تھے میں اُس وقت سے آج تک کے حالات بیان کرتا ہُوں۔ ہم نے اجلاسِ مدراس میں اپنی حکمتِ عملی، نصب العین خواہشات اور پروگرام (لائحہ عمل) کی تشریح و توضیح کی تھی۔ مَیں آپ سے اپیل کرتا ہُوں کہ آپ میری وہ تقریر ایک بار پھر پڑھیں۔ غور سے اُس کا مطالعہ کریں۔ اور اس پروگرام اور

حکمت عملی کے مطابق بعض شعبوں میں آغاز عمل کردیں۔ مَیں نہیں چاہتا کہ بار بار ایک ہی بات کہتا رہوں۔ وہ وقت گزر گیا کہ اپنی قوم کے لوگوں اور مخالفوں کو اپنا مافی الضمیر بتانے کیلئے تکرار کلام ضروری تھی۔ مگر اب لیگ کے پراپگنڈا اور ادبیات نے نیز ملک کے عرض وطول میں ہمارے جلسوں اور کانفرنسوں نے اور پھر نہ صرف ہمارے اخبارات نے بلکہ ہمارے مخالفین کے اخبارات نے بھی ہمیں اس امر سے آگاہ کردیا ہے کہ ہمارے سامنے وہ کونسے امور ہیں جو حقیقت میں اہم اور تنقیح و فیصلہ طلب ہیں۔ (سُنیئے! سنیئے!!)

ہمیں لازم ہے کہ باتیں کم کریں اور کام زیادہ۔ یہی نہیں۔ موجودہ شدید بین الاقوامی صورتِ حالات اور ہمارے دروازوں اور سرحدوں تک پہنچی ہوئی جنگ کا یہ تقاضا ہے کہ ہمیں اُس سخت خطرے کا کامل احساس ہو جائے جو ہمیں درپیش ہے۔ اور نہیں کہا جاسکتا کہ کیا حادث ہوگا۔ مگر مَیں مسلمانوں سے بڑی سرگرمی کے ساتھ اپیل کرتا ہُوں کہ ہم ہر اچھے، بُرے واقعہ سے نپٹنے کیلئے اپنی تنظیم کریں۔ (سُنیئے! سنیئے!) یہ حقائق بالکل ظاہر ہیں اور مَیں سمجھتا ہُوں کہ ان کی تکرار غیر ضروری ہے۔ میری رائے میں اس تشبیہہ کو ایک بار پھر پیش کرنا چاہیئے کہ اب آپ لوگ (سیاسی لحاظ سے) بچے نہیں ہیں بلکہ کافی سیانے ہو گئے ہیں۔ چنانچہ آپ کو اپنے موجودہ علم و عقل کے مطابق عامل ہونا چاہیئے۔ اس کے متعلق مَیں مزید کچھ نہیں کہوں گا۔

مَیں جانتا ہُوں کہ آج سب سے بڑا موضوع جو نہ صرف سارے ہندوستان بلکہ دُنیا بھر کی توجہ کا مرکز بنا ہُوا ہے۔ سر سٹیفورڈ کرپس کا مشن یا کام اور کوشش ہے جس پر ملک معظم کی حکومت نے اُسے مامُور کیا ہے۔ آپ اس کے متعلق حالات اور واقعات کا روزانہ مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ مَیں نہایت مختصر طور پر اور جہانتک مجھ سے ممکن ہے، مشن مذکور

کی تجاویز کے "اعلان بشکل مسودہ" (ڈرافٹ) کی تشریح کرتا ہوں۔ آپ لفظ "ڈرافٹ" کو زیر نظر رکھیں۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ یہ تجاویز جو ملک معظّم کی حکومت کی شرمندۂ فکر و ترتیب ہیں اور وہ اس نتیجہ پر پہنچ چکی ہے کہ یہ منصفانہ اور آخری ہیں۔ آئیے ہم ان کا منشاء سمجھیں اور امتحان کریں۔ مَیں تفصیلوں پر بحث نہیں کروں گا بلکہ صرف بڑے بڑے نکات پر نگاہ ڈالونگا۔ یہ حسب ذیل ہیں۔ اوّل یہ کہ اِنکا مقصد ایک جدید انڈین یونین (مملکت متحدہ ہندیہ) کی تخلیق ہے۔ جو ایک ڈومی نیئن یا مملکت ہو اور برطانیہ کی رفیق اور برطانوی تاج کے زیر نگین ہو۔ مگر ہر معاملۂ ملکی میں سلطنتِ برطانیہ کی باقی سب ڈومی نیئن یا مملکتوں کے برابر ہو۔ اور اپنے داخلی و خارجی معاملات میں کسی طرح بھی ماتحت نہ ہو۔ اس ضمن میں اس جدید انڈین یونین کے اعمال اور اختیارات کے متعلق کچھ شک و شبہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً تین چیزیں بالخصوص قابل توجہ اور اہم ترین ہیں۔ ایک تو "درجہ"۔ دُوسرے "اختیارات" اور انجام کار "عمل اور کام" مگر یہ نہ ہے وہ معاملہ جس پر اس وقت غور و خوض کرنا ہوگا جب کہ ہم سلطنتِ برطانیہ کے کسی ایک ڈومی نیئن یا دو یا دو سے زیادہ کے ساتھ معاہدہ یا معاہدات پر دستخط کریں گے۔

(مَیں نے ابھی کرپس کے مشن اور حکومت برطانیہ کی تجاویز کے متعلق بڑے بڑے اُمور کے ذکر کے آغاز میں پہلی بات یہ بیان کی تھی کہ ان تجاویز کا مقصد ایک جدید انڈین یُونین کی تخلیق ہے) دُوسرا اہم امر یہ ہے کہ جنگ کے خاتمے کے بعد ہندوستان کے اندر فوراً ایسے اقدامات کئے جائیں گے جن کے وسیلے سے ایک مجلس منتخب کی جائیگی۔ اور اس کے ذمّے یہ کام ہوگا کہ ہندوستان کی آیندہ حکومت کے لِئے ایک نیا آئین وضع کرے۔ اس مجلس کی تشکیل کا طریق بھی تجاویز میں موجود ہے۔ میں اس کے متعلق اس وقت بحث

کرونگا۔ جب کہ تجاویز کی اس دفعہ پر نگاہ ڈالونگا جس میں مجلس مذکورہ آئین ساز مجلس کی ترتیب و تشکیل کے لئے قواعد درج کئے گئے ہیں۔

تیسرا اہم امر یہ ہے کہ ایک شرط اور قاعدہ ایسا بنایا گیا ہے جس سے ہندوستانی ریاستوں کا استقلال مقصود ہے۔

چوتھا اہم امر یہ ہے:- ملک معظم کی حکومت اقرار کرتی ہے کہ جب اس قسم کا آئین مرتب ہو جائے گا تو فی الفور عمل میں لایا جائیگا۔

چند مستثنیات رکھی گئی ہیں مگر وہ اس اعلان زیر بحث کے اصولوں کو بہر حال برقرار رکھتے ہوئے کی جائینگی۔ پہلی اور اہم ترین چیز جو مستثنیٰ ہے یہ ہے کہ:-

جب آئین جدید بن چکے گا تو برطانوی ہند کے ہر صوبے کو اس امر کا حق حاصل ہوگا کہ اگر وہ چاہے تو جدید انڈین یونین میں اس جدید آئین کے ماتحت شامل نہ ہو اور اپنی موجودہ آئینی حیثیت پر قائم رہے۔ لیکن اُن شرائط کی تعیین بھی کر دی گئی ہے۔ جن کے مطابق کوئی صوبہ جو علیحدہ رہے گا بعد میں شمولیت اختیار کر سکے گا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جب مجلس آئین ساز جسے اختیاراتِ شاہی کی سرمایہ داری کہنا چاہیے۔ آئین مرتب کرلے گی تو جو صوبہ چاہے یوں کہے "ہم اس آئین سے متفق نہیں۔ پس ہم اسمیں شامل نہیں ہوتے"۔ لیکن ہمارے لئے موثر ترین اور اہم ترین بات یہ ہے کہ اس حق عدم شمولیت کو کس طرح عمل میں لائیں گے اور اسکے متعلق خود کس طرح درست فیصلہ کریں گے۔ ان سوالات کا جواب اعلان یا وثیقہ زیر نظر میں نہیں۔ لیکن سر سٹیفورڈ نے یہ مشورہ دیا ہے کہ اگر کسی صوبے کی لیجسلیٹو اسمبلی ساٹھ فیصدی کثرت رائے سے شمولیت کے حق میں ہو تو صوبہ شامل ہو جائے بلکہ اس پر مجبور ہو اور اگر اکثریت کو انسٹھ اور اقلیت کو اکتالیس آرا

حاصل ہوں تو پھر عامۃ النّاس کی رائے براہ راست لی جائے۔ گویا تمام عام لوگ کثرت رائے سے شمولیّت یا عدم شمولیّت کا فیصلہ صادر کریں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عدم شمولیّت کا فیصلہ کرنیکے بعد کسی ایک صوبے یا ایک سے زیادہ صوبوں کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی ایک جدا اور علیحدہ انڈین یونین یا متحدہ مملکت یا ڈومی نئین مرتب کرلیں۔ اسکے بعد وثیقہ میں وہ شرائط درج کیگئی ہیں جو ہندوستانی ریاستوں اور علیحدہ رہنے والی مملکت یا مملکتوں اور جدید انڈین یونین کے مابین معاہدات پر حاوی ہونگی۔

اب مَیں حسب وعدہ اُن دفعات کو لیتا ہُوں جن میں مجلس آئین ساز کی تعمیر ہوگی۔ اگر دورانِ جنگ میں ہندوستان کے بڑے بڑے فرقے آپس میں سمجھوتہ کرکے مجلس آئین ساز کی تعمیر کی شرائط کا فیصلہ کرلیں تو بہتر ورنہ جنگ کے خاتمے کے بعد موجودہ آئین کے مطابق جملہ برطانوی صُوبوں کی مجالس قانون ساز کیلئے انتخابات ہونگے۔ ان سب کے ممبران کی تعداد قریباً سولہ سو ہوگی۔ یہ سب اراکین ایک حلقۂ انتخاب متصور ہونگے اور وہی "متناسب نمائندگی کے اصول انتخاب" کے مطابق مجلس آئین ساز کے لئے قریباً ایک سو ساٹھ اراکین اپنے میں سے چُن لیں گے۔ یہ ہوگی مجلس آئین ساز جس کو آئین سازی کیلئے کامل حاکمانہ اور شاہی اختیارات حاصل ہونگے +

اب ہندوستانی ریاستوں کی سُنیئے۔ ان کو دعوت دیجائیگی کہ اپنی آبادی کے تناسب سے اراکین بھیجیں۔ مگر ان لوگوں کا تقرر بذریعہ انتخاب ہوگا یا نمائندگی؟ اسکے متعلق وثیقہ میں کوئی ذکر نہیں۔ یہ ہے وثیقہ جہاں تک آئندہ کو دخل ہے۔

اب موجُودہ وقت کے لئے یعنی دورانِ جنگ میں طرزِ حکومت کی عارضی تبدیلیوں کی کیفیت سُنیئے۔ موجُودہ نازک وقت سے لے کر نئے آئین کی ترتیب و تعمیر تک ملکِ معظم

کی حکومت لامحالہ ہندوستان کے دفاع کی کامل ذمہ داری اپنے ہاتھ میں رکھے۔ لیکن وہ چاہتی ہے اور اس لئے دعوت دیتی ہے کہ اہل ہند کے بڑے بڑے طبقوں کے لیڈر ان مشوروں میں موثر اور فوری حصہ لیں۔ جو ہندوستان اور سلطنت برطانیہ اور اقوام متحدہ کے مابین ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح ان کو یہ موقع ملے گا کہ اس کام کے سرانجام میں عملی اور تعمیری امداد دیں۔ جو ہندوستان کی آئندہ آزادی کے لئے لازم ولابد اور فیصلہ کن ہے۔

خواتین وحضرات! اس دفعہ میں اہم ترین الفاظ یہ ہیں کہ دفاع ہند کی کامل ذمہ داری تو ملک معظم کی حکومت کے قبضے میں ہوگی اور بڑے بڑے ہندوستانی طبقوں کے لیڈروں کو صرف مشاورت میں شمولیت کی دعوت دی جائیگی اور محض مشورے دینے کا حق یا اختیار حاصل ہوگا۔ واضح ہو کہ شروع میں وثیقے کے الفاظ یہی تھے جو میں نے دہرائے ہیں۔ مگر بعد میں چند لفظی تبدیلیاں کی گئیں جن سے مطلب ومفہوم اور معانی ومنشاء میں کوئی فرق نہیں آیا۔ نئے الفاظ یہ ہیں:۔

"موجودہ نازک وقت سے لے کر نئے آئین کی تعمیر وترتیب تک ملکِ معظم کی حکومت لامحالہ ہندوستان کے دفاع کی کامل ذمہ دار ہو اور اس کے متعلق جملہ جنگی کوششوں کو دنیا بھر کے اندر اس قسم کی کوششوں کے ایک جزو کے طور پر اپنے قبضے میں رکھے اور ان کوششوں کی رہنمائی کرے۔ نیز یہ کہ ہندوستان کے جنگی، اخلاقی اور مادی وسائل کی تنظیم کے لئے حکومت ہند اس ملک کے باشندوں کے تعاون کے ساتھ ذمہ دار ہو۔"

خواتین وحضرات! اب میں مختلف طور پر وثیقۂ ہذا کا مفہوم ومنشاء جو میرے ذہن میں آتا ہے۔ پیش کرتا ہوں۔ خواہ ایک ڈومی نیئن یا مملکت یا ایک سے زیادہ کی تخلیق

عمل میں آئے اور اس کا یا اِن کا درجہ اور اختیارات کیا ہونگے۔ ان دو امور سے کہیں بڑھ کر قابل غور امر یہ ہے کہ سب سے بڑا مقصد ایک جدید انڈین یونین کی تخلیق ہے۔ سارا معاملہ یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ یونین کی تخلیق کا مقصد پورا کرنے کے لئے شاہانہ اختیارات رکھنے والی ایک مجلس آئین ساز بنائی جائیگی۔ یہ مجلس بقول سر سٹیفورڈ کرپس اس امر کو ترجیح دیگی کہ سارے ہندوستان کے لئے ایک اور محض ایک یونین بنے۔

غور کیجئے کہ مجلس آئین ساز کے اراکین گیارہ برطانوی صوبوں کی اسمبلیوں کے ممبروں میں سے لئے جائینگے۔ یہ لوگ محض ایک حلقۂ انتخاب کی حیثیت سے انتخاب کا کام کریں گے۔ اور انتخاب کا اصول "متناسب نمایندگی" ہو گی نہ کہ "جدا جدا حلقہائے انتخاب" کے ذریعے انتخاب عمل میں آئے گا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی تعمیر یافتہ مجلس سے اس کے سوا کوئی توقع میرے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی کہ وہ ایک اور محض ایک یونین کو یقیناً ترجیح دے اور اسی نتیجہ پر پہنچے۔ یاد رہے کہ مجلس آئین ساز کی تعمیر کے قواعد و ضوابط اسی منشاء اور مقصد کیلئے بنائے گئے ہیں۔ یہ درست ہے کہ جب مجلس آئین ساز ادنے سے ادنے کثرت رائے کے مطابق مثلاً اکیاون فیصدی تائید کے ساتھ جدید آئین مرتب کر یگی تو ہر صوبے کو جو آئین جدید کو ناپسند کرے یہ موقع دیا جائے گا کہ اور امتحان میں سے گزرے جس کا ذکر مَیں ابھی کرونگا۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حلقہائے انتخاب کی صورت میں بھی مسلمانوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ پچیس فیصدی ہو گی۔ لیکن "متناسب نمائندگی" کے طریق کار سے اس کا کم ہو جانا عین ممکن ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مجلس آئین ساز میں غالب ترین اکثریت غیر مسلموں کی ہو گی۔ اس لئے قیاس غالب یہی ہو سکتا ہے کہ اکثریت کی رائے صرف ایک انڈین یونین کے حق میں ہو۔ دوسرا اہم امر یہ ہے۔ کیا مجلس آئین ساز کا فیصلہ محض ادنے

سے ادنٰے کثرت رائے کے مطابق ہوگا؟ اس وثیقے کے مطالعہ سے میں تو اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہاں ہوگا۔ کیونکہ اس قسم کے قواعد وضوابط کے وثیقوں میں جب تک ایک مقرّرہ مقدار کی اکثریّت کے لازمی ہونے کا ذکر نہ کیا جائے تو مطلب کم سے کم یا ادنٰے سے ادنٰے اکثریّت سے ہوتا ہے۔ اور ایک مقرّرہ اکثریّت کی ضرورت ہو۔ تو واضح طور پر لکھ دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر مُسلم لیگ کا آئین لیجئے۔ اس میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر آئین میں تبدیلی کی ضرورت لاحق ہو۔ تو دو تہائی اکثریّت کی رائے کے بغیر کوئی تغیّر نہ کیا جائیگا۔

یہ ہے مجلس آئین ساز کی کیفیّت مختصر۔ اور اسکے متعلق اگر میں کسی رائے کا اظہار کروں تو میں کہونگا کہ جب مسٹر گاندھی اس مجلس میں آئینگے تو اُنہیں کامل یقین ہوگا کہ ہمیں ایک ایسا آئین ضرور مل جائیگا۔ جو ایک آل انڈیا یونین کے لئے سارے ہندوستان کی ایک متحدہ ریاست کیلئے ہوگا۔

جب یہ سب کچھ ہو چکے گا تو علیحدگی پسند صوبے یا صوبوں سے یُوں خطاب کیا جائیگا:۔

- "سنو! سنو! گھبراؤ نہیں۔ تمہیں پھانسی پر لٹکائے جانے سے پہلے ایک موقع دیا جاتا ہے" (قہقہہ)

یہ موقع وثیقہ میں درج نہیں۔ محض سر سٹیفورڈ کا پیش کردہ مشورہ ہے اور ہم بھی جب وقت آئیگا تو اسکے متعلق اپنے مشورے دینگے۔ ہاں تو کیا فرماتے ہیں سر سٹیفورڈ کرپس؟ سُنیئے۔ وہ یُوں کہتے ہیں:۔

- "ادھر دیکھو! اگر تم میں سے اکتالیس فیصدی مخالف ہوئے تو عامتہ النّاس سے براہ راست رائے لی جائیگی۔"

اس پر مَیں پُوچھتا ہوں کہ "کس عامتہ النّاس کی رائے؟" جواب اس کا ظاہر ہے کہ صُوبہ

متعلقہ کے عام لوگوں کی رائے - اسکو ہم یوں بھی بیان کر سکتے ہیں کہ "کن لوگوں سے آپ
ان کا اپنا فیصلہ طلب کرتے ہیں ؟ کیا ایک قوم کے لوگوں سے یا دونوں قوموں سے یکجا طور
پر ؟ (سنیئے ! سنیئے) اس پر جواب ملتا ہے کہ "دونوں قوموں کو یکجا کر کے" یہ ہے اس موقع
کی حقیقت - جو وثیقہ ثابت فرماتا ہے اسکے یہ معنی ہیں کہ اے علیحدگی پسندو! اگر عامۃ الناس
کی رائے تمہارے حق میں ہوئی تو تم ذبح خانے سے بچ جاؤ گے - اور ایک اور محض ایک آئین
بنانے کے خواہشمندوں اور اس لئے کسی صوبے کو علیحدگی سے باز رکھنے کے حامیوں کی
قربانی کی باری بعد میں آئے گی - (قہقہہ) یہ ہے وہ امر جو اثر و تاثر کی ہمہ گیری کے لحاظ سے
مسلمانوں کے لئے اہم ترین ہے -

خواتین و حضرات ! میں اس امر کے متعلق کہ "وقت رواں" (زمانہ پیش از خاتمہ
جنگ) میں آئینی صورتِ حال کیا ہوگی - سوا اس کے کچھ نہیں کہہ سکتا - جو مسودہ اعلان
میں درج ہے - کیونکہ ہر بات آخری تصویر پر منحصر ہے جو سر سٹیفورڈ کرپس کی کوشش
اور کام کے اختتام پر مکمل ہوگی اور جس پر ظاہر ہے کہ میں اس وقت کوئی روشنی نہیں
ڈال سکتا -

میں نے مسودہ قانون کی تجاویز کی تشریح کر دی ہے - اسکے متعلق میں کہوں گا اور
میں سمجھتا ہوں کہ میری آواز آپ ہی کے احساسات کی صدائے بازگشت ہوگی کہ مسلمانوں
کو سخت ترین مایوسی ہوئی ہے کیونکہ ان کی قومی وحدت اور یقینی اخلاقی قوت کو واضح طور پر
اور صاف صاف الفاظ میں تسلیم نہیں کیا گیا - (سنیئے ! سنیئے) یہ کوشش قطعی طور پر بنیادی
لحاظ سے غلط ہے کہ مسئلہ ہند کے حل کرنے میں امور واقعی سے پہلو تہی کی جائے اور صوبوں
کی جغرافیائی وحدت کے قیام پر ضرورت سے زیادہ اصرار کیا جائے - کیونکہ یہ تقسیم برطانوی کی

حکومت کی حکمت عملی کا نتیجہ ہے اور حکومت کے انتظام و انصرام کیلئے گیلئی۔ (سنیئے! سنیئے) اسلامی ہند کی تسلی و تشفی نہ ہوگی سوا اس کے کہ قومی اختیارِ فیصلہ متعلقہ آئین کا حق صاف اور قطعی طور پر تسلیم کیا جائے۔ (سنیئے! سنیئے!) اس حقیقت کا احساس ہونا چاہیئے کہ ہندوستان کسی زمانے میں بھی نہ ایک ملک تھا نہ ایک قوم پر مشتمل تھا۔ اِس برِ اعظم تحتی کا مسئلہ بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے۔ اور تمدنی، معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی اختلافات اس قدر شدید اور بنیادی ہیں کہ ہم انکو نہ دبا سکتے ہیں نہ چھپا سکتے ہیں۔ نہ خلط ملط کر کے مطلب حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم سب کے لئے لازم و لابد ہے کہ واقعیت پسند اہل عمل کیطرح ان سے نپٹیں۔

وثیقہ کے مجوزہ آئین کے مطابق وہ نام نہاد اختیار جو اقلیتوں کو حقِ علیحدگی عطا کرتا ہے محض فریبِ نظر کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اہل ہنود اس فیصلہ میں غالب فوقیت کے حامل ہونگے کہ سارے ہندوستان کیلئے فقط ایک آل انڈیا یونین (ریاست متحدہ) قائم ہو اور اس میں سب صوبے شامل ہوں۔ چنانچہ مسلمانانِ بنگال و پنجاب ہر وقت اپنے اپنے ہاں کی ہندو اقلیت کے رحم پر ہونگے۔ اہل ہنود اپنی انتہائی کوشش اس امر پر صرف کریں گے کہ مسلمان ہمیشہ ہندوؤں کی گاڑی کے پہیوں سے بندھے رہیں۔ اس طرح تمام صوبوں کے اندر مسلمان تباہ ہو جائیں گے۔

ہمیں اس امر کا کامل احساس ہے کہ اس وقت ہمیں غیر ملکی حملہ آوروں کی جانب سے سخت خطرہ اور اس بات کی تشویش ہے کہ جس طرح ہو سکے ہندوستان کی حفاظت کی جائے۔ اور جنگ میں ہر طرح سے مدد بہم پہنچائی جائے۔ مگر ان سب اہم امور کے باوجود ہم زمانۂ حاضر کی خاطر اپنے مستقبل کو فروخت نہیں کر سکتے۔ اگر ہم یہ کام کریں گے تو اسکے معنی

یہ ہونگے کہ ہم اپنی اولاد اور آنے والی نسلوں کے کروڑہا مسلمانوں کے خلاف ایک سخت جُرم کے مرتکب ہُوئے۔ (سُنیئے! سنیئے)

ان تجاویز کی رُو سے مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتوں میں فوری تغیّرات کئے جائینگے اور موجودہ مروّجہ آئین کی حدُود کے اندر رہ کر۔ مگر اعلان ہذا کے مطالعہ سے انکے متعلّق کسی صاف اور عملی تجویز کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ مگر یہ امر ناگزیر ہے کیونکہ تصویر ابھی تکمیل تک نہیں پہنچی اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اسکی آخری کیفیّتِ صُورت کیا ہوگی۔ سردست تو یہ وثیقہ محض ایک خاکہ یا ڈھانچہ ہے اور ظاہر ہے کہ اِسے قابلِ قبول بنانے کیلئے بہت سی تفصیلوں کی ضرورت۔ اور تجاویز میں تغیّرات اور تکمیل کی حاجت۔ یہ معاملہ ان معاملات میں سے ایک ہے جن میں محض اصُولوں کے بیان کر دینے سے کہیں بڑھ کر موثّر اور دور رس تفصیلات ہُوا کرتی ہیں اس اعلان کے سبب ہمیں سخت تشویش ہو رہی ہے اور شدید خطرات کا خدشہ تکلیف دے رہا ہے۔ بالخصوص تجویز پاکستان کے متعلّق جو مسلمانوں کے لئے حیات و ممات کا مسئلہ ہے۔ اسلئے ہم انتہائی کوشش کریں گے کہ پاکستان کا اصول صاف صاف الفاظ میں اور قطعی طور پر تسلیم کیا جائے۔ کیونکہ اس وقت تو اعلان میں یہ نہایت معمولی طور پر مانا گیا ہے۔ اسکے علاوہ مسلمانانِ ہند یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہماری اپنی پوری تسلّی اور تشفّی کے مطابق اس بات کا فیصلہ کیا جائے کہ ہم کس طرح اور کن شرائط سے ایک قوم کی حیثیّت میں علیحدہ رہ سکتے ہیں یا اگر چاہیں تو شامل ہو سکتے ہیں۔ ہم اس کے متعلق بھی اپنی شدید کوشش جاری رکھیں گے۔ ہم نہیں چاہتے کہ جس طرح گزشتہ جنگِ عظیم کے بعد فلسطین کا حشر ہُوا تھا، وہی ہم پر اس جنگ کے بعد صادق آئے۔ جبکہ ہم اپنی آزادی اور علیحدگی کے اقراروں کی قیمت میں روپیہ، خون، اور ساز و سامان ادا کر چکے ہونگے۔ (سُنیئے! سُنیئے!)۔

اس اعلان سے ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان دورِ مستقبل کے اندر بہت دُور کی ایک چیز ہے
اور اس کی تخلیق کا محض امکان بھی دیر طلب ہے۔ پھر اسکے مقابلے میں ایک نئی "متحدہ
ریاست ہند" (انڈین یونین) کیلئے قطعی ترجیح موجود ہے۔ بلکہ اس وقت سب سے بڑا مقصد یہی
ہے۔ چنانچہ اس وقت تک بعض اہم امُور ہمارے خلاف جا رہے ہیں۔ یعنی مجوزہ آئین کے متعلق
سیاسی اور آئینی مشورے۔ طریق کار کے قواعد و ضوابط۔ سر سٹیفورڈ کرپس کے ساتھ ملاقاتیں
اور صاحب مذکور کی اپنی تشریحات وغیرہ۔ پس ان حالات کے پیش نظر میں کہونگا کہ ہمیں
ایک ایسا کھیل کھیلنے پر مجبور کیا جا رہا ہے جس میں فریق مقابل فریب کاری سے کام لے رہا ہے۔
آپ کو معلوم ہے کہ ہماری مجلس عاملہ ۲۷ مارچ سے ان تجاویز کا مطالعہ بڑی احتیاط سے کر رہی
ہے اور دقت نظر سے اس کا امتحان لے رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سر سٹیفورڈ کرپس اور
ملک معظم کی حکومت بلا تامل وہ ضروری تغیرات کر دینگے جن سے پاکستان کے اصُول قطعی
طور پر اور واقعی عمل میں لائے جا سکیں اور مسلمانان ہند ایک اور محض ایک قوم کی حیثیت
میں اپنی حکومت کے متعلق خود فیصلہ کرنے کے مختار ہوں۔ ہمیں امید ہے کہ انجام کار ان
مشوروں اور باہمی صلاح کار سے ایک ایسا منصفانہ سمجھوتہ پیدا ہو گا جس سے سب کا احترام
برقرار رہے گا اور جسے سب قبول کریں گے۔ (بلند نعرہ ہائے تحسین)۔

قائدِ اعظم

کا

وہ خُطبہ جو آپ نے "آل انڈیا مُسلم سٹوڈنٹس کانفرنس" کے اجلاسِ جالندھر منعقدہ ۱۵ر نومبر ۱۹۴۲ئہ میں ارشاد فرمایا۔

" اس خطبہ میں قائد اعظم اپنے مخصوص رنگ میں سیاسیاتِ ہند کا بالعموم اور اسلامی ہند کا بالخصوص موازنہ فرماتے ہیں۔ اور شبانِ ہند اسلامیہ کو نہ صرف اُن کی منزل مقصود کا پتہ دیتے ہیں بلکہ راہ مقصد پر گامزن ہونے کیلئے مشعل راہ دکھاتے ہیں۔ یُوں تو دورِ حاضر کی کونسی اہم کیفیت ہے جس کا ذکر اس خطبے میں نہیں آیا۔ مگر بعض امور خصوصیت سے توجہ طلب ہیں۔ مثلاً :۔

الف ۔ اسلامیانِ ہند کا پیدائشی حق یعنی "پاکستان" کا قیام ۔

ب ۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا حق حکومت خود اختیاری اور حیثیت بطور قوم جُدا وممیّز۔

ج ۔ جوازِ پاکستان اور اس کے ثبوت میں مُسلمانانِ ہند کے فیصلہ عامہ (PLEBESCITE) کی تشخیص ۔

د ۔ کانگرس کے متضاد اعمال کے سبب موجُودہ سیاسی تعطّل ۔

ھ ۔ شبانِ اسلام کو متاثر کرنے اور اپنا ہم خیال بنانے کیلئے کانگرس کی فریب کاریاں۔

و ۔ کانگرس کے نقارۂ آزادی کا اصل مُدّعا ۔

ز۔ مُسلمان نوجوانوں سے اپیل کہ کام کام اور بس کام کے وسیلے سے مُدعا پُورا ہو گا۔

ح۔ برطانیہ کو امدادِ اسلامیانِ ہند کی پیشکش اور اُس کی شرائط۔

ط۔ پاکستان میں اچھُوتوں کے حقوق کی کامل حفاظت۔

ی۔ سِکھوں کے ساتھ سمجھوتہ اور ان کی معقول تسلی۔

حضرات۔ مَیں آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا شکر گزار ہُوں کہ مجھے اپنے اجلاس کی صدارت پر مامور کر کے معزّز کیا۔ آپ کے اغراض و مقاصد بدرجۂ اتمّ قابلِ تعریف ہیں۔ اور جس منزلِ مقصُود کی جانب آپ گامزن ہیں۔ مسلم لیگ اسکی توثیق و تصدیق کرتی ہے میں آپ کو توجہ دلاؤنگا اور آپ کو نصیحت کروں گا کہ اپنی فیڈریشن کے آئین کے پہلے جزو پر انتہائی وفاکیشی سے عمل کریں۔ آپ نے اس میں فیصلہ کیا ہے کہ:۔

"ہمارا مدعا ہے مسلمان طلباء میں سیاسی بیداری اور احساس پیدا کرنا اور "پاکستان" تعمیر کرنے کے لئے اُنہیں تیار کرنا اور پھر اس جدوجہد میں حصّہ لینے کے قابل بنانا جس سے ہم پاکستان کی منزلِ مقصُود کو جا لیں۔"

حضرات۔ جب تک آپ طالب علم ہیں آپ اپنی کوششوں کو محض تیاری پر محدُود رکھیں اور عملی سیاسیات میں حصّہ نہ لیں ۔۔۔ آپ کو لازم ہے کہ طلبائے ہند کی تنظیم کریں اور ان کی ایک مستحکم اور مضبوط جماعت بنائیں تاکہ حقوقِ مسلمانان ہند کی کامل حفاظت ہو۔ آپ کو چاہیئے کہ قومِ ہندِ اسلامیہ کے سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور تعلیمی نشوونما اور ترقّی کے لئے ایک لائحۂ عمل بنائیں اور اسے جامۂ عمل پہنائیں۔ آپ کا یہ بھی فرض ہے کہ اسلامی تمدّن کو ہر دلعزیز بنانے میں کوشاں ہوں اور اس امر کی حوصلہ

افزائی کریں کہ ہندوستان کے مختلف فرقوں میں باہمی خیر طلبی اور ایک دوسرے کے حق میں نیک نیتی پیدا ہو۔ اور وہ ایک دوسرے کے حال سے اچھی طرح آگاہ ہوں اور سمجھ لیں کہ ہمارے بھائیوں کی ضرورتیں اور خواہشیں کیا ہیں۔ آپ کا ایک اور اہم فرض یہ ہے کہ ہندوستان اور ممالک اسلامیہ اور دنیا بھر کے مسلمان طلباء کے مابین تعاون کار کی تخلیق کریں۔

حضرات۔ مَیں نے ابھی کہا کہ آپ سیاسیاتِ عملی میں حصّہ نہ لیں مَیں اس کی وضاحت کرتا ہوں تاکہ غلط فہمی کا اندیشہ نہ رہے۔ مَیں چاہتا ہُوں کہ آپ اپنے اندر وہ اوصاف پیدا کریں جن کے وسیلے سے آپ طالب علمی کی زندگی ختم کرنے کے بعد عملی سیاسیات کی جدوجہد میں کامیاب ہوں۔ آپ اس وقت اپنے آپ کو تیار اور ضروری ساز و سامان یعنی علم و آگاہی اور توفیق عمل سے آراستہ کریں۔ آپ کی اولین اور اہم ترین ضرورت ہے مطالعہ! مطالعہ مطالعہ۔ اس میں شبہ نہیں کہ مسلمان طلبا میں اور عام طور پر مسلمانوں میں عظیم الشّان بیداری پیدا ہو گئی ہے۔ احساسِ ضرورتِ ترقی موجود ہے۔ گرم جوشی ہے۔ طبیعتوں میں ولولے ہیں۔ جذبات ہیں۔ مگر ساتھ ہی مزاجوں کو محض برانگیختہ کرنیوالے بے مصرف اور بے کار مقولے بھی زبانوں پر جاری ہیں۔ جن سے مسحُور ہونا ہرگز موزون نہیں۔ کیونکہ ہندوستان کا مسئلہ بدرجۂ انتہا پیچیدہ اور مشکل ہے۔ جس کی نظیر تاریخ عالم میں کہیں نہیں ملتی۔ چنانچہ آپ اسی صُورت میں دوسروں کے عقیدے بدل سکتے اور اُن کو اپنی راہ پر لا سکتے ہیں۔ جب کہ پہلے آپ خود روشن ضمیر بن جائیں اور معاملے سے کامل طور پر آگاہی حاصل کر لیں۔ آج کل دانائے راز ہونے کی بالخصوص حاجت ہے کیونکہ ہر فرقہ اور فریق نے اپنے مقاصد کے لئے ایک منظم پروپاگنڈا اختیار کیا ہُوا

ہے۔ اکثر اوقات سچائی بالائے طاق رکھ دی جاتی ہے اور مدِ مقابل کے خیالات اور خواہشات کی ترجمانی دیدہ دانستہ غلط کی جاتی ہے۔

حضرات۔ میں اراکینِ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی ان کوششوں کو بنظرِ استحسان دیکھتا ہوں اور آپ کو مبارکباد کہتا ہوں کہ اُنہوں نے مارچ ۱۹۴۱ء سے آج تک کام کی داد خوب دی اور پنجاب کے ہر ضلع میں مسلم لیگ کا پروگرام پھیلایا اور اس کا پیغام پہنچایا۔

حضرات۔ موجودہ سیاسی تعطل بیحد اہم اور غور طلب ہے۔ مئی ۱۹۴۲ء میں مسٹر راجگوپال آچاریہ پاکستان کے حق میں تھے۔ (دیر تک نعرۂ تحسین) وہ ایک قابل آدمی ہیں اور بہت بڑے ہندو رہنما۔ وہ کانگرس کے بڑے سے بڑے لیڈروں میں سے ایک بھی مانے جاتے رہے ہیں۔ اُنہوں نے پاکستان کے متعلق اپنی طرف سے ایک تجویز پیش کی۔ اگرچہ وہ ہمارے خیال اور مطالبے سے مختلف ہے، مگر آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے اپنے الٰہ آباد کے اجلاس میں غالباً اکثریت کے ساتھ اسے بلا غور کئے قطعی طور پر رد کر دیا۔ بلکہ ایک اور تجویز کو منظور کیا جسمیں قرار دیا گیا تھا کہ کانگرس کو پاکستان یا تقسیم ہندوستان سے کوئی واسطہ نہ ہوگا۔ اور اکھنڈ ہندوستان ہی اصل چیز ہے۔ اس طرح کانگرس نے صلح اور آشتی کا دروازہ زور سے بند کر دیا کیونکہ اُس نے مسلمانوں کے مطالبۂ پاکستان کے سوال کو بحث میں لانے سے بھی انکار کیا۔ مزید برآں کانگرس نے مسلم لیگ کے وجود کو قطعی طور پر نظر انداز کیا اور اسکے ساتھ شدید ترین تحقیر کا سلوک روا رکھا۔ حالانکہ اب اس حقیقت میں شک وشبہ کی شمہ بھر گنجائش باقی نہیں رہی کہ مسلم لیگ سارے اسلامی ہند کی کامل نمائندگی کرتی ہے۔

حضرات۔ اس کے بعد مسٹر گاندھی کو ایک غیر معمولی طریقِ عمل سوجھا۔ آپ نے فرمایا۔

"ہندوستان سے برطانوی نکل جائیں"

مَیں بھی بہت خوش ہونگا اگر وہ کل ہی یہاں سے نکل بھاگیں۔ ہم ہندوستانی اپنے معاملات خود ہی بخوبی طے کرلیں گے (دیر تک بلند نعرۂ تحسین)۔ برطانویوں کے خارج از ہند ہونیکے مطالبہ کیساتھ ہی اب مسٹر گاندھی یہ کہنے لگے کہ مسلمانوں اور ہندؤوں کے مابین کسی قسم کی قرارداد اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ ہندوستان سے برطانوی نکل چکیں گے۔ حالانکہ اس سے پہلے مسٹر گاندھی کا گویا ایمان تھا جس کا اظہار انہوں نے بار بار کیا کہ ہندؤوں اور مسلمانوں کی باہمی قرارداد کے بغیر ہندوستان کی آزادی کا امکان ہی نہیں۔ وہ یہانتک کہتے تھے کہ آزادئی ہند اسی شرط پر مشروط ہے۔ یہی حاجت اوّلین ہے۔ مگر انہوں نے یک قلم اور انتہائی عجلت کیساتھ اپنے اس مستقل عقیدے کو ترک کردیا۔ اور حکومت برطانیہ کو خبردار کیا کہ اگر ہندوستان سے برطانوی نہ نکلیں گے تو ہم اُن سے جنگ کرینگے۔ اب سوال یہ ہے کہ برطانویوں کو یکایک یہ الٹی میٹم ULTIMATUM کیوں دیا گیا۔ اور پھر ایسے وقت میں جبکہ خود مسٹر گاندھی برطانوی حکومت کے ساتھ قول و قرار میں مشغول تھے۔ اور کبھی اُسے مجبور کرتے تو کبھی اسکی تھوڑی بہت ہاں بھی لیتے تھے۔ پھر کچھ بہت دیر نہ ہوئی تھی کہ مسٹر گاندھی نے آنسو بہائے تھے اور کہا تھا کہ اگر ویسٹ منسٹر ایبے اور ایوانہائے پارلیمان پر بمباری ہوتی تو ہندوستان کی آزادی سے کیا حاصل۔ الغرض جب ایسے حیلوں سے کام نہ نکلا تو مسٹر گاندھی نے غصّہ سے پیچ و تاب کھا کر برطانویوں کو کہا کہ ہندوستان سے نکل جائیے۔ یہ کیوں؟ اسلیئے کہ مسٹر گاندھی کا جو دلی منشاء ہوتا ہے اُسے زبان پر نہیں لاتے اور پھر جو کچھ زبان پر لاتے ہیں اُن کا منشاء نہیں ہوتا۔

ہر ایک ذی فہم آدمی جانتا ہے کہ جب مسٹر گاندھی نے عام سول نافرمانی کا فیصلہ کیا تو

مدعا فقط یہ تھا کہ برطانوی حکومت جو جنگ کے سبب سخت مصیبت میں مبتلا ہے کو تنگ کیا جائے اور اُسے شش و پنج میں ڈالا جائے تاکہ وہ مجبور ہو کر جھک جائے اور ان کے مطالبات کسی نہ کسی حد تک منظور کر لے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی منظوری مسلمانوں کی تباہی کے مرادف ہے۔ یہ ہے کانگریس کی حالت۔ اُن کے سول نافرمانی کے فیصلہ میں جنگ کا الٹی میٹم یا فیصلہ جنگ شامل ہے۔ مگر آغاز جنگ کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کیا گیا تھا۔ بہرحال کانگریس نے ابھی ہتھیار اُٹھاتے اور یلغار کرنیکا حکم نہیں دیا تھا کہ حکومت نے کانگریسی لیڈروں کو جیل میں ڈال دیا۔ اب میں مسلمانوں سے اور منصف مزاج ہندوؤں سے پوچھتا ہوں کہ ان حالات میں مسلم لیگ سے کیا توقع رکھی جا سکتی ہے؟

حضرات۔ حکومتِ برطانیہ کہہ چکی ہے کہ :-

"ہم کانگریس کے ساتھ لڑیں گے تا آنکہ کوئی فیصلہ کن نتیجہ ہو۔ کانگریس محض ایک پارٹی ہے اور سب کے سب ہندوؤں کی بھی نمائندہ نہیں۔ بلکہ باشندگان ہند کی اکثریت کی نمائندگی سے بہت دُور ہے۔"

اسلئے مَیں پُوچھتا ہوں کہ اگر کانگریس ایک بےمعنی اور ناممکن العمل طرز خیال اختیار کرے تو باقی سارا ہندوستان کیا کرے۔ یہاں کروڑوں انسان ایسے ہیں۔ جو مسلمان ہیں۔ سکھ ہیں۔ عیسائی ہیں۔ اچھوت جماعتوں کے لوگ ہیں۔ اور غیر کانگریسی ہندو ہیں۔ ان سب کی رائے کی بھی شنوائی ہونی چاہیئے۔ چنانچہ ان سب امور کے پیش نظر حکومت برطانیہ اور کانگریس کے مابین کوئی قرارداد نہ ہو سکی۔

حضرات۔ مَیں خوش ہوں اور اطراف و اکناف ہند کے مسلمانوں کو مبارک باد کہتا ہوں کہ اُنہوں نے عام سول نافرمانی میں قطعاً کوئی حصہ نہیں لیا۔ (نعرۂ تحسین) شدید

رنج تو اس بات کا ہے کہ یہ سول نافرمانی نہیں ایک ایسی خانہ جنگی ہے جس سے مُفسد اہلِ مُلک خود ملک کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ مَیں اس پر بھی خوش ہوں کہ کانگرسی لیڈروں نے جو تحریک سول نافرمانی کی پشت پر ہیں۔ اس بات کی امکانی کوشش کی ہے۔ کم سے کم میری اطلاعات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مفسد اور ہنگامہ پرداز لوگ مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں، وُہ جانتے ہیں کہ اگر مفسد مسلمانوں سے بھڑینگے تو اُنکے حق میں خرابی ہوگی۔

حضرات۔ دورانِ جنگ میں ایک عارضی حکومت قائم کرنے کے معاملہ میں مختارانِ برطانیہ نے جو طریقِ عمل اختیار کر رکھا ہے میری سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کانگرس کو کس طرح نظر انداز کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر وہ واقعی سچے دل سے ہماری مدد کے طلبگار ہیں تو پھر ہمارے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے رکنے کے کیا معنی؟ ہم تعاون اور رفاقت کا ہاتھ ان کیطرف بڑھا رہے ہیں۔ اگر اُن کو کانگرس کی مدد نہیں مل سکتی۔ اگر سو فیصدی امداد ممکن نہیں تو کم سے کم دس کروڑ مسلمانوں کے تعاون سے آغاز کریں۔

حضرات۔ مسلمانوں کی جانب سے امداد کی پیشکش کی شرائط مسلم لیگ کی اس قرارداد نے واضح کردی، جو اجلاس بمبئی میں منظور کیگئی اور جس کی تصدیق بتاریخ ۹ نومبر لیگ کی کونسل نے کی۔ اس میں ہم نے اپنا منشاء بیان کردیا ہے۔ یعنی:۔

"ہم چاہتے ہیں کہ برطانوی حکومت اس عہد کا اعلان کرے اور دوسری پارٹیاں بھی اس امر پر رضامند ہوں کہ مسلمانوں کے حق حکومت خود اختیاری کو ہم تسلیم کرتے ہیں اور اقرار صالح کے ساتھ اس امر کی ضمانت دیتے ہیں کہ مسلمانوں کے فیصلہ عامہ PLEBESCITE کا حکم ناطق ہم قبول کریں گے۔ اور پاکستان کی تجویز و تدبیر کو عمل میں لائیں گے جس کا بنیادی خاکہ سنہ ۱۹۴۰ئ کی قرارداد لاہور میں واضح کردیا گیا ہے۔"

حضرات۔ یہ ہے ہماری تعمیری تدبیر اور مخلصانہ تجویز جو لازمی اور لابدی اصولوں پر مبنی ہے۔ ہم ہر شخص سے کہیں بڑھ کر تیار ہیں اور کہ اپنی جان و مال و آبرو کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کو میدان میں لائیں اور دشمنان ہند کو دُور ہی دور رکھیں۔ ہم مذکورہ بالا اقرار صالح اور ضمانت کی بنا پر ایک ایسی عارضی حکومت مرتب کرنے کے لئے تیار ہیں۔ جس کے حوالے حقیقی اختیارات کئے جائیں۔

حضرات ۔ اب مَیں اقلیتوں کے حقوق کے ضمن میں مسلمانوں کے ارادوں پر روشنی ڈالتا ہوں اور ساتھ ہی پنجاب بالمیک اچھوت فیڈریشن لدھیانہ کے سپاس نامہ کا مختصر جواب شکریہ کے ساتھ دیتا ہُوں ۔ مَیں جہاں کہیں بھی ہُونگا آپ کے فرقے کے مفاد و اغراض فراموش نہیں کرونگا۔ آپ کے وہ لوگ جو پاکستان میں بود و باش رکھیں گے اُن کے ساتھ انسانی مساوات کا سلوک کیا جائیگا اور اس سلوک میں نہ صرف موجُودہ مہذب حکومتوں کے تصورات کے مطابق عمل ہو گا۔ بلکہ یہ امر خصوصیت کے ساتھ مدنظر رکھا جائیگا کہ احکام اسلام میں مسلم حکومتوں پر نہایت تاکید کے ساتھ یہ فرض عاید کیا گیا ہے کہ وہ اپنی مملکت میں رہنے والی اقلیتوں سے انصاف و دیانت کا سلوک کریں۔

حضرات ۔ مَیں اس وقت ارض پنجاب میں ہُوں۔ اسلئے مجھے کہنا چاہیئے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا مسئلہ کل ہند سے متعلق ہے۔ مگر مسلمانوں اور سکھوں کا مسئلہ فقط پنجاب سے تعلق رکھتا ہے اور پاکستان سے۔ اگر سکھ چاہیں جیسا کہ ہم چاہتے ہیں تو ہمارے مابین ایک قرارداد آسانی سے ہو سکتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اور وہ مل بیٹھیں اور مذاکرات اختیار کریں۔ نہ کہ الگ الگ اپنی اپنی جگہ باتیں بنائیں۔ مسلمان نہیں چاہتے کہ سکھوں کی حق تلفی کریں۔ مَیں سکھوں سے اپیل کرتا ہُوں کہ وہ بیرونی اثر و رسوخ سے آزاد ہو کر صرف

ہمارے ساتھ گفتگو کریں۔ مجھے یقین ہے کہ اس طرح ایک تسلی بخش فیصلہ ہو جائیگا جو حقائق اور دلائل پر مبنی ہوگا۔ مَیں نے بعض سکھ اصحاب سے ملاقات کی ہے اور میری انکی غیر رسمی طور پر بات چیت ہوتی ہے۔ مجھے اس امر کی بڑی مشفقانہ دعوت بھی دیگئی ہے کہ مَیں اُن سے ملوں۔ مَیں شکر گزار ہوں۔ بہر حال اس وقت مَیں اتنا ہی کہتا ہوں کہ ہم مل جُل کر سوچیں اور خدا نے چاہا تو سمجھوتہ ہو جائے گا۔

حضرات۔ پچھلے دنوں میں ایک خاص طریق عمل پر ہندوؤں اور مسلمانوں کی باہمی قرارداد کے متعلق پنجاب میں مباحثات ہوئے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس فارمولا کا، اس تدبیر کا موجد کون ہے۔ مگر یہ حقیقت ظاہر ہے کہ یہ لوگ یا تو بیحد نادان ہیں یا دیدہ دانستہ نادان بنے جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ گو تجویز پاکستان پر مختلف نکتہ چینیاں کیگئی ہیں مگر اب اُن میں کوئی وزن باقی نہیں رہا۔ مگر اب ایک تازہ ترین فریب کاری کو آلہ کار بنانیکی کوشش کیجا رہی ہے۔ تاکہ بیخبر لوگوں کو بیراہ کیا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ "جب مسلمانوں کو حق حکومت خود اختیاری دیا جاتا ہے تو دوسروں کو بھی یہ حق ملنا چاہیئے۔ چنانچہ پنجاب اور سرحدی صُوبہ اور سندھ کو بہت سے چھوٹے چھوٹے علاقوں میں منقسم کرنا چاہیئے مگر اس طرح تو سینکڑوں پاکستان بن جائینگے"۔ مَیں پوچھتا ہُوں کہ اس نئے فارمولا کا موجد کون ہے کہ سارے ہندوستان میں ہر فرقے کو حکومت خود اختیاری کا حق حاصل ہے۔ حقیقت میں یہ اسکے حامیوں کی نادانی کا ثبوت ہے۔ یا یہ لوگ شرارت اور فریب پر آمادہ ہیں۔ مَیں اُن سے کہتا ہوں کہ مسلمانوں کو یہ حق اسلئے حاصل ہے کہ وہ ایک مکمل قوم کی حیثیت رکھتے ہیں جو ایک مخصوص سرزمین میں آباد ہے اور وہ ان کا وطن ہے۔ وہ منطقے مسلمانوں کا ہی وطن ہیں جہاں اُن کی اکثریت ہے۔ کیا تاریخ میں کوئی مثال ایسی ملتی ہے کہ چھوٹے چھوٹے منتشر گروہوں

کو بھی جنہیں "نیشن" (NATION) یا قوم کا نام نہیں دیا جا سکتا اور جو صرف "سب نیشنل گروپ" (SUB NATIONAL GROUP) قومِ ماتحت یا قوم ادنےٰ کہلا سکتے ہیں۔ ہاں ایسے منتشر گروہوں کو جو کسی مملکت میں اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے ہیں۔ حکومت دیجائے؟ اگر ان کو اختیاراتِ شاہی یعنی الگ حکومت دیجائے تو اُن کیلئے مملکت کہاں سے آئیگی۔ وہ کس ارضِ مُلک کو اپنا وطن قرار دیسکیں گے۔ اس صورت میں تو یوپی کے چودہ فیصدی مسلمانوں کے لئے ایک الگ حکومت درکار ہوگی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یوپی کے مسلمان ایک منتشر گروہ ہیں۔ انکو ایک جدا قومی گروہ نہیں کہا جا سکتا اسلئے آئینی زبان میں یوپی کے مسلمان بھی محض ایک "سب نیشنل گروپ" قوم ماتحت ہیں۔ جن کو اس کے سوا کوئی توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ ایک مہذب حکومت کے ماتحت حقوقِ اقلیت حاصل ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ مَیں نے صورتِ حال کی وضاحت کر دی ہے۔ مسلمان جہاں جہاں اکثریت میں ہیں ایک قوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور سب نیشنل گروہ نہیں ہیں۔ یہ اُن کا پیدائشی حق ہے کہ حق حکومتِ خود اختیاری کا مطالبہ کریں اور اس حق کو جامۂ عمل پہنائیں۔

حضرات۔ اب آخر میں مَیں آپکو مصروفِ عمل ہونیکی تاکید کرتا ہوں۔ کام۔ کام اور بس کام کا تہیہ کیجئے۔ مَیں آپکی کانفرنس کے منتظموں کو مبارکباد کہتا ہوں کہ وہ خوب کامیاب ہوئے ہیں۔ آپنے جس تعاون۔ محنت کشی اور باہمی رفاقت کا ثبوت دیا ہے ترقی قوم کا عظیم الشان نشان ہے۔ مَیں خوش ہوں کہ آپ بیدار ہیں اور آپنے آغاز کار بڑی عمدگی سے کیا ہے۔ ہاں مَیں کہونگا کہ سکونِ خاطر اور صبر و برداشت اور احساسِ انکسار کیساتھ اپنی قوم کی سچی خدمت کیجئے۔